۴

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

خطبات عثمانی

۴

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔
تاریخ اشاعت	:	2013ء
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی : 0313-9205497
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ	:	خلیل اللہ فراز
جلد	:	**04**
قیمت	:	=/ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

☆ میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ 0313-920 54 97

☆ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔ ☆ مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور۔

☆ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔ ☆ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

☆ ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی۔

☆ مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔

☆ مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

عرضِ مرتب

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کو ہر میدان میں جو بلند مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، حضرت والا مدظلہم کے ہفتہ واری دو بیانات ہوتے ہیں، ایک بیان جمعہ کے روز جمعہ کی نماز سے قبل جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال کراچی میں ہوتا ہے، دوسرا بیان اتوار کے روز عصر کی نماز کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ہوتا ہے، سالہا سال سے بیانات کا یہ سلسلہ جاری ہے، اور ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے ۱۸ رجلدوں پر مشتمل ان بیانات کا پہلا مجموعہ آپ حضرات کے سامنے آچکا ہے۔

کچھ عرصہ سے حضرت والا مدظلہم نے جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع فرمایا ہے، جو بہت مفید سلسلہ ہے، اس سے تمام طبقہ کے حضرات کو فائدہ ہو رہا ہے، بہت سے حضرات کی خواہش تھی کہ تفسیر کے اس سلسلے کو نمایاں طور پر شائع ہونا چاہیے، تاکہ اس سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے، چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''خطبات عثمانی'' کے نام سے دوسرے مجموعہ کا آغاز انہی تفسیری بیانات سے کیا جا رہا ہے،

چونکہ ان تفسیری بیانات میں حضرت والا مدظلہم کے اسفار کی وجہ سے وقفات زیادہ ہو جاتے ہیں، اسلئے وقتی موضوعات اور دیگر موضوعات کے بیانات کو بھی ''خطبات عثمانی'' میں شامل کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے، اور آخرت کی نجات اور علم دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائے، آمین

محمد عبداللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز
یکم محرم الحرام ۱٤۳۳ھ

اجمالی فہرست

خطبات عثمانی جلد نمبر : ۴

فہرستِ مضامین (تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر

زندگی برف کی طرح پگھل رہی ہے

(تفسیر سورۂ عصر : ۱)

عنوان	صفحہ نمبر

تندرستی ہزار نعمت ہے
(تفسیر سورۂ عصر : ۲)

عنوان	صفحہ نمبر

برائی روکنے کے تین درجے
(تفسیر سورۂ عصر : ۴)

عنوان	صفحہ نمبر

برائی کو روکنے کی کوشش کرو

(تفسیر سورۂ عصر : ۵)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان | صفحہ نمبر

نصیحت کا موقع تلاش کرتے رہو

(تفسیر سورۃ : ۷)

عنوان	صفحہ نمبر

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر

(تفسیر سورۂ تکاثر : ۱)

عنوان | صفحہ نمبر

نعمتوں کی بارش اور آخرت میں سوال
(تفسیر سورۂ تکاثر : ۳)

اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو

(تفسیر سورۂ تکاثر : ۴)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

مال بچانے کے ناجائز طریقے
(تفسیر سورۂ تکاثر : ۸)

عنوان	صفحہ نمبر
بجلی کی چوری اور اس کے نتائج	۲۶۰
اس سوال کے جواب کی تیاری ابھی سے کرلو	۲۶۰

علم پر عمل کے بارے میں سوال ہوگا

(تفسیر سورۂ تکاثر : ۹)

عنوان | صفحہ نمبر

علماء، طلبا اور عوام کو ایک ایک نصیحت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"یاایھاالذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذااھتدیتم
الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون"
(سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی خبر لو، اگر تم سیدھے راستے پر آ گئے
(تم نے ہدایت حاصل کرلی۔ صحیح راستہ اختیار کرلیا) تو جو لوگ گمراہ ہیں۔
ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے
وہاں پر اللہ تعالیٰ تمہیں بتائیں گے کہ تم دنیا کے اندر کیا کرتے رہے ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید
(سورۃ ق:۱۸)
یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے
وہ تمہارے نامہ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

زندگی برف کی طرح پگھل رہی ہے

تفسیر سورۂ عصر (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۸/ اکتوبر ۲۰۱۰ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی برف کی طرح پگھل رہی ہے

(تفسیر سورۂ عصر (۱))

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ وَالْعَصْرِ ۞ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۞ آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولا نا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك من الشهدین و الشکرین والحمد للّٰه رب العلمین ۔

چھوٹی مگر جامع سورت

بزرگان محترم، اور برادران عزیز، یہ سورۂ عصر ہے جسکی میں نے ابھی آپ

کے سامنے تلاوت کی ہے، اور یہ قرآن کریم کی دوسری سب سے چھوٹی سورت ہے، سب سے چھوٹی سورت ''اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر'' ہے، اور دوسرے نمبر پر سب سے چھوٹی سورت یہ ہے، اور اتنی چھوٹی ہے کہ اس کو یاد کر لینا بھی کوئی مشکل نہیں، عام طور پر مسلمانوں کو یاد ہوتی ہے، اور نمازوں میں بھی بکثرت پڑھی جاتی ہے، لیکن اپنی ہدایات کے اعتبار سے بڑی جامع سورت ہے، حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی انسان صرف اسی ایک سورت پر اچھی طرح غور کرے تو اس کی زندگی کو درست کرنے کے لئے تنہا یہ سورت کافی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہ منقول ہے کہ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھتے تو مجلس سے اٹھنے سے پہلے سورۂ عصر کی تلاوت کیا کرتے تھے، اس طرح بار بار اس سورت کا استحضار کرتے، بار بار دھیان کرتے تھے، اس لحاظ سے یہ بڑی اہم سورت ہے۔

سورت کا ترجمہ

پہلے میں اس سورت کا ترجمہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، اس کے بعد اس کی کچھ تشریح انشاء اللہ عرض کروں گا۔ ترجمہ یہ ہے کہ: وَالْعَصْرِ ۞ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْر. قسم ہے زمانے کی کہ یقیناً انسان بڑے نقصان میں ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحَات. سوائے انسانوں کے جو ایمان لائے، اور جنہوں نے نیک عمل کئے: وَتَوَاصَوْا بِالْحَق. اور جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کی: وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. اور جنہوں نے آپس میں ایک

دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔ یعنی سارے انسان خسارے میں ہیں، اور سارے انسان نقصان میں ہیں، سوائے ان کے جنہوں نے یہ چار کام کئے ہیں، (۱) ایمان لانا (۲) نیک عمل کرنا (۳) ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنا (۴) ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت اور وصیت کرنا۔ یہ اس سورت کا ترجمہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں

یہاں پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں زمانے کی قسم کھا کر ایک بات فرمائی، زمانے کی قسم کہ انسان بڑے خسارے میں ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جو بات بھی ارشاد فرمائیں، وہ برحق ہے، ہم لوگ یعنی انسان آپس میں ایک دوسرے کو کسی بات کا یقین دلانا چاہتے ہیں تو بعض اوقات قسم کھانے کی ضرورت پڑتی ہے، اگر کسی بات پر دوسرا شخص یقین نہیں کر رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم، میں یہ بات کہتا ہوں، یہ اس لئے کہ انسانوں کی باتوں پر بھروسہ یقینی نہیں ہوتا، اور قسم کھا کر جو بات کہی جاتی ہے، اس پر بھروسہ ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ سو فیصد یقینی ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، کہیں قلم کی قسم کھائی ہے، کہیں ستارے کی قسم کھائی ہے، کہیں شہر مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے، کہیں قیامت کے

دن کی قسم کھائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کیوں قسم کھاتے ہیں؟

یہ اللہ تعالیٰ کا مختلف چیزوں کی قسم کھانا۔ معاذ اللہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات پر بھروسہ نہیں تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ قسم کھا کر اس کا یقین دلا رہے ہیں، بلکہ درحقیقت اس قسم کھانے میں دو باتیں پیش نظر ہیں، ایک یہ کہ قسم کھانے سے انسان کے کلام میں ایک زور پیدا ہو جاتا ہے، اور فن بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جو بات قسم کے ساتھ کہی جاتی ہے، اس میں زور ہوتا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام بڑی بلاغت والا کلام ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کلام میں زور پیدا کرنے کیلئے قسم کھاتے ہیں۔

وہ قسم آگے والی بات پر دلیل ہوتی ہے

اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ عام طور پر قرآن کریم میں جہاں کہیں کوئی قسم آئی ہے، وہاں جس چیز کی بھی قسم کھائی جارہی ہے، وہ چیز درحقیقت اس بات پر ایک دلیل اور گواہ ہوتی ہے جو بات قسم کے بعد کہی گئی ہے، مثلاً اس سورت میں زمانے کی قسم کھانے کے بعد کہا گیا ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے، اس بات کو کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی، مطلب یہ ہے کہ اے انسانو! اگر تم زمانے کے حالات پر غور کرو تو تم پر خود بخود یہ بات واضح ہو جائے گی کہ انسان بڑے نقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے آگے ذکر کیا ہے۔

زندگی کے لمحات مال تجارت ہیں

اب ذرا اس نقطۂ نظر سے سوچئے کہ زمانے کی قسم کھانے اور زمانے کو بطور ثبوت پیش کرنے کی وجہ بالکل ہی واضح ہے، وہ اس طرح جو بھی انسان اس دنیا میں آتا ہے، وہ ایک محدود وقت لے کر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک وقت مقرر ہے کہ اس کو کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ، دنیا میں رہنا ہے، اور یہ ایسا مقرر ہے کہ ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہیں ہوسکتا، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انسان کو جو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے، وہ ایک تجارت کے لئے بھیجا گیا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الصف: ۱۰)

اے ایمان والو، کیا میں تم کو ایسی تجارت بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے۔

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(التوبۃ: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں، گویا کہ انسان کی جو زندگی ہے یہ اس کا مال تجارت ہے، اور اس مال تجارت کو خرچ کرنے کے نتیجے میں انسان کو اس کا معاوضہ جنت کی شکل میں آخرت

میں ملنے والا ہے، اور لہٰذا یہ ایک قسم کی تجارت ہے۔

ہر تجارت کا ایک سرمایہ

انسان ایک تاجر ہے، اور ہر تاجر کا کچھ سرمایہ ہوتا ہے، کوئی تجارت بغیر سرمایہ کے نہیں چلتی، اور وہ سرمایہ ایسا ہوتا ہے کہ اسی کو تجارت میں لگا لگا کر سرمایہ میں اضافہ کیا جاتا ہے، اور اس کو بڑھایا جاتا ہے، اور انسان کی زندگی کا سرمایہ اس کے لمحات زندگی ہیں، ایک ایک لمحہ، ایک ایک منٹ، ایک ایک گھنٹہ، یہ انسان کی زندگی کا سرمایہ ہے، یہ سرمایہ ایسا ہے کہ سارا سرمایہ اکھٹا باقی نہیں رہتا، بلکہ ہر لمحہ اس سرمایہ میں کمی آرہی ہے۔

وہ تاجر جس کا سرمایہ روزانہ کم ہو رہا ہے

فرض کرو کہ ایک شخص ستر سال کی عمر لے کر اس دنیا میں آیا تھا، اب جوں جوں وقت گزر رہا ہے، اس ستر سال کے سرمایہ میں کمی آرہی ہے، اگر ایک دن گزر گیا تو ستر سال میں سے ایک دن کم ہو گیا، دو دن گزر گئے تو ستر سال میں سے دو دن کم ہو گئے، تین دن گزر گئے تو ستر سال میں سے تین دن کم ہو گئے، تو جتنا جتنا وقت گزرتا جاتا ہے، زندگی کے سرمایہ میں کمی آتی جاتی ہے، آپ ایسے تاجر کے بارے میں ذرا تصور کرو جس کا سرمایہ روزانہ کم ہو رہا ہو، تو ایسا تاجر تو خسارہ میں ہوگا، لہٰذا یہ جو فرمایا کہ ہر انسان خسارے میں ہے، یعنی اس کی زندگی کا جو سرمایہ ہے، وہ ہر آن ہر لمحے گھٹ رہا ہے، اس میں کمی آرہی ہے، وہ تو سرمایہ اس لئے لایا تھا، تاکہ اس کو نفع بخش تجارت میں لگا کر آخرت میں جنت کمائے، لیکن اگر سرمایہ

اس نے غفلت میں ضائع کردیا، اور ہر ہر لمحے اس کا سرمایہ کم ہوتا گیا تو جب عمر ختم ہوگی تو معلوم ہوگا کہ سارا سرمایہ ختم ہوگیا، اور اب اس کے پاس اپنی آخرت میں معاوضہ حاصل کرنے کیلئے کچھ نہیں رہا۔ یہ معنی ہیں ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْر'' کے

ہورہی ہے عمر مثل برف کم

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بازار گیا تو جا کر دیکھا ایک شخص برف بیچ رہا ہے، اور اس کوشش میں ہے کہ میں کسی طرح جلد سے جلد اس برف کو بیچ دوں، کیونکہ برف ایسی چیز ہے جو ہر آن پگھلتی رہتی ہے، جوں جوں برف پگھل رہی ہے، اس کے سرمائے میں کمی آرہی ہے، اس وجہ سے وہ یہ چاہتا ہے کہ میں جلد از جلد اس کو فروخت کر کے چلا جاؤں، وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس برف بیچنے والے کو دیکھا کہ اس کا سرمایہ پگھل رہا ہے، اور اس کی وجہ سے وہ پریشان ہے، وہ چاہتا ہے کہ جلدی سے جلدی بیچ دوں تو اس وقت مجھے سورۃ العصر یاد آئی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہاری زندگی کا سرمایہ بھی اس برف کی طرح ہے، جو ہر آن کم ہورہا ہے، اور ہر آن گھٹ رہا ہے، اس کے اندر کمی آرہی ہے، لہٰذا وہ تاجر جس کا سرمایہ گھٹ رہا ہو، وہ تاجر ہمیشہ خسارے میں ہوگا، وہ کبھی بھی فائدہ میں نہیں ہوسکتا، کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ:

ہورہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

انسان کی زندگی کا سرمایہ ہر وقت برف کی طرح پگھل رہا ہے۔

سال گرہ رنج وغم کا موقع ہے

آج کل یہ رسم پڑی ہوئی ہے کہ جب کسی کی زندگی کا سال پورا ہو جاتا ہے تو اس کی سال گرہ منائی جاتی ہے، اور اس پر خوشی منائی جاتی ہے کہ آج میری عمر کے بیس سال مکمل ہو گئے ۲۱ کیس سال ہو گئے، آج بائیس سال ہو گئے، ہر سال کے ختم پر سال گرہ منائی جاتی ہے، یہ ہے تو غیر مسلموں کی رسم، لیکن اب مسلمانوں کے اندر بھی یہ رسم آ گئی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، اور یہ شریعت کے مطابق نہیں ہے، لیکن اکبرالہ آبادی نے اس سال گرہ پر بڑا اچھا تبصرہ کیا ہے کہ جو لوگ سال گرہ مناتے ہیں وہ تو خوشیاں مناتے ہیں کہ ہماری عمر پہلے بیس سال تھی، اور اب اکیس سال ہو گئی، لیکن اگر حقیقت پر غور کرو گے تو اس پر رنج اور صدمہ کرنا چاہیے کہ ہماری عمر کا ایک سال اور گھٹ گیا، وہ کہتے ہیں کہ:

جب سال گرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یہاں اور گرہ سے ایک برس جاتا رہا

گرہ سے ایک برس اور چلا گیا، ایک سال اور چلا گیا، زندگی کے لمحات اور کم ہو گئے، لہٰذا یہ وقت خوشی منانے کا نہیں ہے، بلکہ صدمہ کرنے کا اور رنج کرنے کا وقت ہے کہ میری زندگی کا سرمایہ کم ہو گیا۔

وہ انسان خسارے میں ہے

لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ہم لوگ عمر کے لمحات کو غفلت اور لاپرواہی کے عالم میں اس طرح ضائع کرتے چلے جاتے ہیں کہ ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ ہمارا سرمایہ کس

طرح ختم ہورہا ہے، یہ معنی ہیں ''ان الانسان لفی خسر ''لہذا جوانسان اپنی عمر کے لمحات کو کسی کام میں نہ لگائے وہ درحقیقت ہر لمحے خسارے میں ہیں، نقصان میں ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام انسان خسارے میں ہیں۔

اس خسارے کی تلافی کا طریقہ

الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت . ہاں وہ لوگ جو اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، یوم آخرت پر ایمان لے آئے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، تو ایسے لوگ ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اپنے خسارے کی تلافی کر لیتے ہیں، خسارہ تو ان کا بھی ہوتا ہے کہ ایک گھنٹہ چلا گیا، ایک دن چلا گیا، ایک برس چلا گیا، لیکن انہوں نے ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اس خسارے کی تلافی کر لی، تلافی اس طرح کر لی کہ فرض کرو کہ کسی شخص کی زندگی کا ایک گھنٹہ کم ہوگیا، تو اس گھنٹے میں اس نے اللہ جل شانہ کی عبادت کر کے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر، اس سے رجوع کر کے، یا کوئی اور نیک کام کر کے، مثلاً کسی کی مدد کر کے، کسی کو صدقہ دے کر کسی غریب کو کھانا کھلا کر اس نے نیکیوں کی گٹھڑی جمع کر لی۔

اللہ کے فضل وکرم کا قانون

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا ایک قاعدہ اور قانون ہے کہ

کل حسنة بعشر امثالها

یعنی بندہ جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں دس گنی نیکی لکھ دیتے ہیں، اور دس گنا ثواب اس کو عطا فرماتے ہیں، چاہے وہ نیکی چھوٹی سی

کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو بڑھا دیا جائے گا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص راستے میں گزر رہا تھا، راستے میں اس کو کانٹا پڑا ہوا نظر آیا، اس کو یہ خیال آیا کہ اس کانٹے سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، چنانچہ اس نے وہ کانٹا راستے سے ہٹا دیا، تو اس کانٹا ہٹانے پر اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے، آپ اندازہ کریں کہ کانٹا ہٹانے میں کتنی دیر خرچ ہوئی، ایک منٹ خرچ ہوا، تو ایک منٹ کا سرمایہ کم ہوا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے دس گنا سرمایہ نیکیوں کی شکل میں عطا فرما دیا، لہٰذا ایک منٹ کا جو خسارہ ہوا تھا، اس ایک منٹ کے خسارے کی تلافی اللہ تعالیٰ نے دس گنا زیادہ کردی۔

نقصان کو فائدہ سے بدل دو

فرمایا کہ "تمام انسان خسارے میں ہیں" کیوں؟ اس لئے کہ ان کی عمر کے لمحات گزر رہے ہیں، زندگی کے لمحات کم ہو رہے ہیں، سرمایہ زندگی پگھل رہا ہے، لیکن جس انسان نے اپنی زندگی کے لمحات کو ایمان اور نیک عمل کے اندر لگا دیا تو اس کے اس نقصان کی تلافی ہوگئی، نہ صرف یہ کہ اس نقصان کی تلافی ہوگئی، بلکہ جتنا نقصان ہوا تھا، اس سے کئی گنا زیادہ سرمایہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہوگیا، اس لئے فرمایا کہ تم خسارے سے بچنا چاہتے ہو، نقصان سے بچنا چاہتے ہو تو ان اوقات زندگی اور لمحات عمر کی قدر پہچانو، اور اس کا ایک ایک لمحہ تول تول کر ایسے کاموں میں خرچ کرو جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے والے ہیں، اس طرح تمہارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا

ورنہ یہ عمر تو گزرتی جارہی ہے، یہ کسی کا انتظار نہیں کرتی، انسان اپنی زندگی کے اندر اصلاح کرنے کے لئے بعض اوقات اصلاح کو ٹلاتا جاتا ہے کہ اچھا بھائی، کل سے اصلاح کریں گے، پرسوں سے کریں گے، اس طرح ٹلاتا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں عمر گزرتی چلی جاتی ہے، اور زندگی ڈھلتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ سارا سرمایہ ختم ہوجاتا ہے، کسی شاعر نے خوب کہا۔

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگ صبح و شام
عمر فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

آخر میں جاکر آدمی کو حسرت ہوتی ہے کہ ہائے میں نے اپنی زندگی کا سرمایہ ضائع کردیا، اور اپنے لئے آخرت کا کوئی سامان جمع نہیں کیا۔

یہ زندگی ایک سرمایہ ہے

یہ سورت یہ پیغام دے رہی ہے کہ اللہ کے بندو، یہ زندگی جو تمہیں عطا ہوئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے، یہ اتنا بڑا سرمایہ ہے کہ اس کے ایک ایک لمحہ کو کام میں لاکہ تم اپنے لئے ثوابوں کے ڈھیر جمع کرسکتے ہو، آخرت میں جنت کما سکتے ہو، اور اگر ان کو ضائع کردیا تو پھر یہ سارا سرمایہ ضائع ہوجائے گا، پھر خسارہ ہی خسارہ ہے، نقصان ہی نقصان ہے۔

موت کی تمنا مت کرو

اسی لئے احادیث میں فرمایا گیا کہ؛ موت کی تمنا نہ کرو؛ بعض اوقات آدمی دنیا کی پریشانیوں سے تنگ آکر یہ دعا کرنے لگتا ہے، اور یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ مجھے موت ہی آجاتی تو اچھا تھا، یا دعا مانگ لیتا ہے کہ یا اللہ: مجھے موت دے دے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کے بندے، تمہیں معلوم نہیں کہ موت کے بعد تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اور یہ زندگی ہی تو ہے جو موت کے بعد کی زندگی میں تمہیں راحتیں عطا کرسکتی ہے، لہٰذا اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، اس کی ناقدری نہ کرو، اس کو یہ نہ سمجھو کہ یہ بیکار کی چیز ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس کو صحیح کام میں لاؤ، جتنی زندگی طویل ہوگی، اتنا ہی اعمال میں اضافہ ہوگا، اور اس کے نتیجے میں آخرت میں راحتیں اور نعمتیں ملیں گی۔

خودکشی حرام کیوں؟

یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کو منع فرمایا ہے، اور حرام قرار دیا کہ کوئی انسان اپنی جان خود لے لے، خود اپنے کو ہلاک کردے، اس کو حرام موت قرار دیا گیا، اور جیسے دوسرے شخص کو قتل کرنا حرام ہے، ایسا ہی اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام ہے۔

لاتقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما (النسآء: ۲۹)

یعنی ہرگز تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے،

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (بنی اسرآئیل: ۳۳)

یہ تمام آیتیں قرآن کریم میں خودکشی کو حرام قرار دینے کے لئے آئی ہیں، اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی عطا فرمائی ہے، اگر تم زندہ رہو گے تو شاید اس زندگی میں تمہیں اچھے اعمال کرنے کی توفیق ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دے، اور تمہارے درجات بلند فرما دے، لہٰذا اس زندگی کو بیکار مت سمجھو، اس زندگی سے اکتاؤ نہیں، اس زندگی کو اللہ تعالیٰ کے رضا کے کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کرو۔

عمر کے لمحات ان کاموں میں لگاؤ

آج کا اس سورت کا جو پہلا سبق ہے، وہ یہ ہے کہ عمر کے یہ لمحات اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے، ان لمحات کو بیکار کاموں میں، لغویات میں اور بے پرواہی کے ساتھ خرچ کرنے سے بچو، ان لمحات کو تول تول کر ایسے کاموں میں خرچ کرو، جس میں یا تو دنیا کا فائدہ ہو، یا آخرت کا فائدہ ہو، اور ان لمحات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرو، ان کو اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی سے بچاؤ، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے گناہوں سے ان لمحات کو بچاؤ، اور اس بات کی کوشش کرو کہ عمر کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے نفس کے جو حقوق رکھے ہیں، مثلاً سونا ہے، کھانا ہے، پینا ہے، وغیرہ یہ بھی ایک مومن کے لئے عبادت ہے، بشرطیکہ شریعت کے بیان کردہ حدود کے اندر رہ کر کریں، تو یہ سب عبادت ہیں، اسی طرح بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا ملاقات کرنا، ان کی دلجوئی کرنا یہ بھی عبادت ہے، یہ بھی ضروری ہے، ان تمام کاموں کو اس نیت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حقوق میرے اوپر عائد

کئے ہیں، یہ بھی نیکی کے اعمال میں داخل ہیں، اور فرصت کے اوقات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں، اللہ تعالیٰ کی یاد میں، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے میں، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرو تو پھر عمر کے یہ لمحات خسارے کے بجائے انشاء اللہ تمہارے لئے فائدے اور نفع کا پیغام لائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے مجھے بھی اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

تندرستی ہزار نعمت ہے

تفسیر سورۂ عصر (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	۱۵؍ اکتوبر ۲۰۱۰ء
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطباتِ عثمانی	:	جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭

تندرستی ہزار نعمت ہے

(تفسیر سورۃ العصر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ٭ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ٭ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ ٭ وَ اَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ٭ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ٭ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً. اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ وَالْعَصْرِ ٭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ٭ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٭ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم ٭ وصدق رسولہ النبی الکریم ٭ و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للّٰہ رب العلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کئی ہفتوں کے بعد یہاں آپ حضرات کی خدمت میں حاضری کی توفیق ہو رہی ہے، اپنی بیماری کی وجہ سے ایک مہینہ سے زیادہ مدت سے حاضری کا موقع نہیں مل سکا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب بہت بہتر ہوں، اور پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر طبیعت محسوس کر رہا ہوں، کمزوری اور نقاہت ابھی باقی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ بھی دور ہو جائیگی، مجھے معلوم ہوتا رہا کہ اس دوران آپ حضرات نے بڑی محبت کا معاملہ فرمایا، دعائیں بھی فرماتے رہے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اسکی بہترین جزا دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ آمین

انسان کیا، اس کے ارادے کیا؟

اس بیماری سے پہلے میں نے سورۃ العصر کی تفسیر بیان کرنی شروع کی تھی، اور چونکہ یہ بڑی جامع سورۃ ہے، اور اپنے اندر بڑی ہدایات رکھتی ہے، اس لئے خیال یہ تھا کہ پانچ چھ جمعوں میں اس کی مکمل تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دوں گا، لیکن انسان کیا؟ اور اس کے ارادے کیا؟ درمیان میں یہ بیماری کا سلسلہ آ گیا، جس کے نتیجے میں وہ سلسلہ درمیان میں منقطع ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے صحت و قوت عطا فرمائی اور زندگی بخشی تو انشاء اللہ اس کو پورا کر دوں گا۔

زندگی کا سرمایہ ڈوب جائے گا

لیکن اس وقت اس سورۃ سے متعلق ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس سورۃ کا اصل پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں، وہ بہت بڑا عظیم سرمایہ ہے، بہت بڑی عظیم نعمت ہے، اور یہ نعمت اور یہ سرمایہ

ہر وقت گھٹ رہا ہے، وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ کے یہی معنی ہیں، قسم ہے وقت کی کہ انسان خسارے میں ہے، وہ خسارہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ عمر کا جو سرمایہ لے کر آیا تھا، وہ ہر آن، ہر لحہ گھٹ رہا ہے، کم ہو رہا ہے، یہ ہے خسارہ، اس سورۃ کا اصل پیغام یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے اوقات کی قدر پہچانے، اور ان کو صحیح مقصد میں خرچ کرنے کی کوشش کرے، اگر ان اوقات کی صحیح قدر پہچانی، اور ان کو صحیح مقصد میں خرچ کیا تو زندگی کا یہ سرمایہ آخرت میں برگ و بار لائے گا، اور آخرت میں اس کا نفع ظاہر ہوگا، اور خدا نہ کرے، اگر اس سرمایہ کو بیکار اور فضول کاموں میں ضائع کر دیا، ایسے کاموں میں جس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے، اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہے، تو پھر اللہ بچائے۔ یہ سرمایہ ڈوب جائے گا، اور آخرت کی زندگی میں کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا، ایسا نقصان ہوگا جس کا ہم اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔

دو عظیم نعمتیں

یہ ہے اس سورۃ کا اصل پیغام کہ خدا کے لئے وقت کی قدر پہچانو، زندگی کے لمحات کو غنیمت سمجھو، اسی ذیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے، اور اس ارشاد کا اس سورۃ سے بھی تعلق ہے، اور مجھے اس بیماری کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کثرت سے یاد آتا رہا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَ الْفَرَاغُ ۔

فرمایا کہ دو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ایک صحت کی نعمت، ایک فراغت اور فرصت کی نعمت، دھوکے میں پڑنے کے معنی یہ ہیں کہ جب تک یہ نعمتیں حاصل رہتی ہیں تو آدمی ان کی طرف سے بے پرواہ رہتا ہے، اور یہ سمجھتا رہتا ہے کہ میں تو ہمیشہ سے تندرست ہوں، اور ہمیشہ تندرست رہونگا، لہذا تندرستی کے اوقات کو فضول ضائع کرتا رہتا ہے،

بیماری میں صحت میں قدر

جب بیماری آجاتی ہے اس وقت صحت کی قدر ہوتی ہے، اور اس وقت حسرت ہوتی ہے کہ جب میں صحت مند تھا تو یہ کرلیتا، وہ کرلیتا، یہ فائدہ حاصل کرلیتا،، اور یہ نفع حاصل کرلیتا، لیکن جب تک صحت حاصل ہے اس وقت تک اس کی قدر نہیں، اس وقت اس کو صحیح کاموں میں لگانے، اور صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا دھیان نہیں۔

''صحت'' اربوں نعمتوں کا مجموعہ

یہ ''صحت'' ایک چھوٹا سا لفظ ہے، کہنے کو تو یہ ایک لفظ ہے، اور کہنے کو یہ ایک نعمت ہے، لیکن اگر غور کرو تو یہ ''صحت'' اربوں کھربوں نعمتوں کا مجموعہ ہے، اس لئے کہ انسان کا جو وجود ہے سر سے لے کر پاؤں تک، یہ پانچ چھ فٹ کا جو وجود ہے، اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات سمودی ہے، پورا ایک عالم ہے، اور اربوں کھربوں خلیات سے یہ جسم مرکب ہے، ایک ایک عضو کا جائزہ لے کر دیکھو تو پورا ایک جہاں ہے، اسی وجہ سے ایک ایک عضو کا علیحدہ علیحدہ اسپیشلسٹ ڈاکٹرز موجود

ہیں، مثلاً ایک ڈاکٹر صرف ناک کان کا ڈاکٹر ہے، تو وہ سالہا سال صرف اس ایک عضو کی تحقیق میں گزارتا ہے، اس عضو کو جانچتا ہے، پرکھتا ہے کہ یہ عضو کس طرح کام کر رہا ہے، کوئی گردہ کا اسپیشلسٹ ہے، جبکہ گردہ ایک چھوٹا سا عضو ہے، لیکن اس پر تحقیق اور اس پر ریسرچ کا ایک سلسلہ ہے، جو سالہا سال سے چلا آرہا ہے، اور اب تک بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس گردے کے بارے میں پوری تحقیق ہو چکی۔

گردہ کتنی بڑی نعمت ہے

اور جب کسی کا گردہ فیل ہو جاتا ہے تو کسی دوسرے کا گردہ لگایا جاتا ہے، ایک ڈاکٹر صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ جب کسی کا گردہ فیل ہو جاتا ہے تو آپ دوسرے انسان کا گردہ لگا دیتے ہیں، ایسا کیوں نہیں کر لیا جاتا کہ ربر کا، یا پلاسٹک کا یا کسی اور چیز کا گردہ بنا لیا جائے، جبکہ آج کل سائنس نے بھی بہت زیادہ ترقی کر لی ہے، تو کوئی مصنوعی گردہ لگا کر کیوں کام نہیں چلا لیا جاتا؟ وہ ڈاکٹر صاحب جو پوری دنیا کے اندر گردہ کے ماہر مشہور تھے، انہوں نے جواب دیا کہ اول تو گردہ میں جو چھلنی لگی ہوئی ہے، وہ اتنی باریک ہے کہ ایسی باریک چھلنی بنانا کسی سائنسدان کے بس میں نہیں، اس چھلنی کا کام یہ ہے کہ وہ مفید اجزاء کو جسم کے اندر باقی رکھتی ہے، اور نقصان دہ اجزاء کو پیشاب کے ذریعہ خارج کر دیتی ہے، اور اگر کوئی ایسی چھلنی بنانے کی کوشش کرے گا تو اس کے بنانے پر اربوں روپے کا خرچہ آئے گا، اور اگر بالفرض کوئی شخص ایسی چھلنی بنا بھی لے تو اللہ تعالیٰ نے ''گردہ'' کو ایک دماغ دیا ہے، اور ایک سمجھ دی ہے کہ کتنا پانی جسم کے اندر باقی رکھنا ہے، اور کتنا پانی جسم سے

باہر نکالنا ہے، یہ فیصلہ خود ''گردہ'' کرتا ہے، یہ دماغ اسی ''گردہ'' کو حاصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اگر ربر کا مصنوعی گردہ بنا بھی لیں گے تو وہ دماغ کہاں سے لائیں گے جو دماغ اللہ تعالیٰ نے اس گردے کو عطا کیا ہے۔

''دل'' ایک عظیم نعمت

اسی طرح دل ہے، یہ دل جو رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں خون پھینکتا ہے، اگر ان رگوں کو ملا کر خط مستقیم پر ایک لمبی لکیر بنائی جائے تو وہ رگیں دنیا کے گرد تین چکر کاٹ سکتی ہیں، اور دنیا کا قطر چوبیس ہزار آٹھ سو میل کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے جسم کے اندر جو چھوٹی بڑی رگیں ہیں، وہ پچھتر ہزار میل میں پھیلی ہوئی ہیں، اور یہ دل ایک دھڑکن میں تمام رگوں سے خون کھینچتا ہے، اور پھر خون کو دوبارہ پھینکتا ہے، گویا کہ ایک دھڑکن میں پچھتر ہزار میل تک خون پھینکتا ہے، اور کھینچتا ہے، اور ایک تندرست آدمی کا دل ایک منٹ میں بہتر مرتبہ دھڑکتا ہے، اور جب سے انسان پیدا ہوا ہے اس وقت سے یہ دل اپنے کام میں لگا ہوا ہے، اس دل کو آرام نہیں، اگر تم سو جاؤ تب بھی یہ دل اپنا کام کرتا رہے گا۔ اگر تم بیہوش ہو جاؤ تب بھی یہ دل اپنا کام کرتا رہے گا، یہ رگیں جو پچھتر ہزار میل میں پھیلی ہوئی ہیں، ان میں کہیں کسی ایک جگہ ذرہ برابر کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے، تو صحت ختم ہو جائے گی، اور بیماری آجائے گی۔

''صحت'' کے کیا معنیٰ؟

بہر حال! ''صحت'' بظاہر تو ایک چھوٹی سی نعمت معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ ایک

نعمت اربوں کھربوں نعمتوں کا مجموعہ ہے، اس لئے کہ صحت کے معنی یہ ہیں کہ جسم کا یہ پورا کارخانہ صحیح صحیح کام کر رہا ہے، کہیں بھی اگر ایک اسکرو ڈھیلا ہو جائے گا تو صحت ختم ہو جائے گی، اور بیماری آجائے گی، لہٰذا یہ صحت اتنی بڑی عظیم نعمت ہے جو انسان کو حاصل ہے، لیکن یہ جب تک حاصل رہتی ہے، اس وقت تک اس نعمت کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ مجھے کیا نعمت میسر ہے، اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

صحت میں نیک اعمال کرلو

اور پھر اس صحت کی نعمت کو آدمی بیکار مشغلوں میں ضائع کر رہا ہے، اور ذہن میں یہ ہے کہ میں تو تندرست رہوں گا، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس نعمت کے بارے میں لوگ دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں، جو لوگ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ کے صحیح معنی میں بندے ہیں، وہ اس نعمت کی قدر پہچانتے ہیں کہ اس صحت کی نعمت کو صحیح مصرف پر خرچ کروں، کسی اچھے کام کو کرنے کا ارادہ ہوا، یا اپنی اصلاح کرانے کا ارادہ ہوا، یا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ ہوا، یا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کا ارادہ ہوا، تو آدمی یہ سوچتا ہے کہ اچھا کل سے کریں گے، اس ارادے کو ٹلاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔

جوانی کی قدر کرلو

اب جب بستر پر لیٹ گیا تو اس وقت حسرت کے سوا اور کیا حاصل ہوگا کہ کاش! میں نے اپنی صحت کی زندگی کو صحیح استعمال کرلیا ہوتا، بہت سے لوگ تو اللہ

تعالیٰ کی عبادت اور طاعت کوٹلاتے رہتے ہیں، اس خیال سے کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تب دیکھا جائے گا، ابھی تو جوانی کا زمانہ ہے، اور ابھی تو جوانی کے مزے اڑالوں، ذرا ابھی تو بے فکری کی زندگی گزارلوں، جب بوڑھا ہوں گا اس وقت عمل کرلوں گا، ارے اول تو یہ سوچو کہ بڑھاپا آئے گا بھی یا نہیں؟ اور اگر بڑھاپا آبھی گیا تو اس وقت نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، اور طاقت بھی باقی نہیں رہے گی، اگر عمل کرنا بھی چاہو گے تو نہیں کرسکو گے۔

رات کوسونے سے پہلے شکرادا کرلو

بہر حال! سورۃ العصر کا بھی پیغام یہ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی یہ ہے کہ بھائی! اس صحت کی نعمت کی قدر کرو، اور اس کی قدر یہ ہے کہ اولاً تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہو، رات کو سونے سے پہلے کم از کم اس نعمت کا تصور کرکے شکر ادا کرلو کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ میرا دماغ صحیح کام کررہا ہے، یا اللہ آپ کا شکر ہے کہ میرا دل صحیح کام کررہا ہے، یا اللہ آپ کا شکر ہے کہ میری آنکھیں صحیح کام کررہی ہیں، یا اللہ آپ کا شکر ہے کہ میرے کان صحیح کام کررہے ہیں، میری ناک صحیح کام کررہی ہے، میرے ہاتھ پاؤں صحیح کام کررہے ہیں، یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ کوئی بیماری نہیں ہے، کوئی دکھ درد نہیں ہے، کوئی پریشانی نہیں ہے، رات کو سونے سے پہلے اس طرح ایک مرتبہ ہر ہر نعمت کا استحضار کرکے شکر ادا کرلو، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم:۷)

اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

تکلیف میں اللہ یاد آتا ہے

ایک جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کا شکوہ بھی فرمایا کہ :

وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا:۱۳)

میرے بندوں میں شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں۔تو شکر کرنے کی عادت ڈالو، جب کبھی اپنی کسی اچھی حالت کا تصور اور خیال آئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ یا اللہ! آپ نے مجھے اس نعمت سے نوازا ہے، آپ کا فضل وکرم ہے، آپ کا انعام ہے۔ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ شکوہ کیا کہ بندے کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اس وقت تو ہمیں پکارتا ہے کہ یا اللہ! یہ تکلیف دور کر دے، اور جب ہم تکلیف دور کر دیتے ہیں تو :

مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَا اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس:۱۲)

وہ اس طرح بے پرواہی سے گزر جاتا ہے جیسے اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا، کبھی ہم سے مانگا ہی نہیں تھا، اس طرح بے پراہ ہو جاتا ہے۔

صحت کو طاعات میں خرچ کریں

ایک مؤمن کو اس بے پرواہی سے اور اس بے فکری سے بچنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔دوسرے یہ کہ یہ صحت کی نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے دی ہے تا کہ ہم اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کریں، اس صحت کے نتیجے میں کوئی گناہ نہ ہو، کوئی معصیت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دین ایسا عطا فرمایا ہے کہ ہم گناہ کرنے پر مجبور نہیں ہیں، الحمد للہ، اور اس دین پر عمل کرنا آسان ہے، دین پر عمل کرنے میں ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے، اگر کوئی شخص دین کے احکام پر عمل کرنا چاہے تو کوئی ایسی مشقت نہیں ہے کہ وہ دین پر عمل نہ کر سکے، حلال وحرام کی فکر کر کے، جائز و ناجائز کی فکر کر کے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کر کے، ہم اپنے صحت کے اوقات کو خرچ کریں تو انشاء اللہ فائدہ ہی فائدہ ہے، اور پھر ہم اس خسارے سے بچ جائیں گے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ذکر فرمایا ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اس خسارے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اور صحت کی اور اوقات زندگی کی قدر پہچان کر ان کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

وعظ ونصیحت کی تین شرطیں

تفسیر سورۂ عصر (۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۷رجنوری ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطباتِ عثانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ ونصیحت کی تین شرطیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ٭ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ٭ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ٭ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ٭ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ٭ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً. اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ وَالْعَصْرِ ٭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ٭ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٭ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم ٭ وصدق رسولہ النبی الکریم ٭ و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! میں چونکہ سفر سے واپس آیا ہوں، اس لئے

پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی، اب پندرہ منٹ باقی ہیں، پچھلے جمعہ سے سورۃ العصر کا بیان چل رہا ہے، اور سورۃ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ زمانے کی قسم، یا وقت کی قسم، تمام انسان گھاٹے میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے، اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، اور جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی، اور جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔ پچھلے جمعہ کو میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ دنیا وآخرت کے نقصان سے بچنے کے لئے جو چار کام ضروری ہیں، وہ اس سورۃ میں بیان فرمائے ہیں، ایک ایمان، دوسرے نیک عمل، تیسرے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا، اور چوتھے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرنا۔

حق اور صبر کی نصیحت کرنا فرض ہے

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی انسان کے نجات پانے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو درست کرلے، اپنا ایمان درست کرلے، اپنے اعمال درست کرلے، صرف اتنی بات نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حق کی اور صبر کی نصیحت بھی کرتا رہے، اس کی تفصیل بتاتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا کہ بعض جگہوں پر دعوت وتبلیغ کا کام، یعنی لوگوں تک حق بات پہنچانا اور لوگوں کو حق کی دعوت دینا، اور ان کے اعمال کی فکر رکھنا، یہ بعض جگہوں پر تو فرض اور واجب ہے، اور ایسا فرض ہے جیسے نماز فرض ہے، اور یہ اس صورت میں ہے جب کسی شخص کا کسی جگہ پر اقتدار ہے، اس کو وہاں پر قدرت حاصل ہے، اس کے ذمہ فرض ہو

جاتا ہے، تو اگر وہ اپنے حلقہ قدرت میں کوئی خرابی دیکھ رہا ہے تو اس خرابی کو اپنی طاقت اپنا اقتدار اختیار کر کے اس خرابی کو روکے۔

جہاں اقتدار ہو وہاں ہاتھ سے روکے

پچھلے جمعہ کو میں نے یہ حدیث سنائی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی تم میں سے کسی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے، تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اور اگر زبان سے روکنے کی بھی طاقت نہ ہو تو اس کو دل سے برا سمجھے، تو ہاتھ سے روکنا یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کو کسی علاقے پر یا خاص لوگوں پر اقتدار حاصل ہے، جیسے ایک شخص ایک خاندان کا سربراہ ہے، تو اس کو اپنے خاندان پر اقتدار حاصل ہے، یعنی اس کو یہ قوت حاصل ہے کہ اگر وہ کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھ رہا ہے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا نہ کرے، یا کوئی شخص کسی محکمہ کا سربراہ ہے، تو اگر اس محکمہ میں کوئی غلطی ہو رہی ہے، یا کوئی بدعنوانی ہو رہی ہے، یا کوئی برائی ہو رہی ہے تو اس پر فرض و واجب ہے کہ اپنے اقتدار کو استعمال کرتے ہوئے اس برائی سے روکے، یا مثلاً کوئی شخص کسی جگہ کا حکمران ہے تو اس کا فرض ہے کہ اپنے اقتدار کے علاقے میں جو کوئی غلطی یا برائی ہو رہی ہے، اس کو اپنے ہاتھ سے یعنی اپنے اقتدار کے ذریعہ اس کو روکے، لہٰذا یہ جو حکم ہے کہ ہاتھ سے روکے، یہ اس جگہ پر ہے جہاں کسی کو اقتدار حاصل ہو۔

ورنہ امن و امان تباہ ہو جائے گا

لیکن جہاں اقتدار حاصل نہیں ہے، وہاں پر حکم یہ ہے کہ تم اپنی زبان سے روکو، زبان سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں پر اپنے ہاتھ سے روکنا تمہارے اختیار سے بھی باہر ہے، تمہارے دائرہ کار سے بھی باہر ہے، اور اس سے لڑائی کا اندیشہ بھی ہوسکتا ہے، مثلاً اگر ہر شخص بازار میں لاٹھی لے کر نکل جائے اور جو شخص برائی کرے اس کو اپنی لاٹھی سے روکنے کی کوشش کرے تو اس کے نتیجے میں لا قانونیت پھیل جائے گی، اور انارکی پھیل جائے گی، اور امن و امان تباہ ہو جائے گا، اور فساد پھیلے گا، شرعاً اس کی اجازت نہیں۔

مجرم کو سزا دینا حکومت کا کام ہے

اسی لئے شریعت نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کسی جگہ پر کسی جرم کا ارتکاب ہو رہا ہے، اور اس جرم پر مجرم کو سزا دینا یہ حکومت کا کام ہے، حکومت کا فرض ہے کہ وہ مجرم کو سزا دے، اگر حکومت اپنے فریضہ میں کوتاہی کر رہی ہے تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہے، عوام نہیں، مجرم کو سزا دینا عام آدمی کا کام نہیں۔ مثلاً شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ جو شخص شراب پئے، اس کو اسی کوڑے لگاؤ، اب اگر حکومت اپنے اس فریضہ میں کوتاہی کر رہی ہے، اور اس فریضہ کو ادا نہیں کر رہی ہے تو اس کی ذمہ دار حکومت ہے، کوئی آدمی یہ سوچے کہ حکومت تو شراب پینے والے کو سزا نہیں دے رہی ہے، لہٰذا میں خود جا کر ان شراب پینے والوں پر اسی کوڑے لگاؤں گا، تو اس کے ذریعہ وہ

قانون اپنے ہاتھ میں لے لیگا، اور اس کے نتیجے میں فساد پھیلے گا، اور امن و امان تباہ ہوگا، اس لئے شریعت میں عام آدمی کو اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ لوگوں پر سزائیں جاری کرتا پھرے۔

ایسی حکومت کو بدلنے کی کوشش کرو

یا مثلاً شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، لیکن یہ ہاتھ کاٹنا حکومت کا کام ہے، اگر حکومت چور کا ہاتھ نہیں کاٹ رہی ہے تو وہ حکومت مجرم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہے، اور تمہیں اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ ایسی حکومت کو پرامن ذرائع سے بدلنے کی کوشش کرو، یہ بھی تمہارے فرائض میں داخل ہے، یہ نہیں کہ ایسی حکومت پر خاموش ہو کر بیٹھ گئے، اور اس کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ ایسی حکومت کو بدلو، کیونکہ ایسی حکومت کو پرامن ذرائع سے بدلنا فرض ہے۔ جیسے آج کل حکومت بدلنے کا ایک ذریعہ انتخابات ہیں، اس کے ذریعہ بدلنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، لیکن جہاں تک چور کے ہاتھ کاٹنے کا تعلق ہے، تو عام آدمی کو شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ چور کا ہاتھ کاٹ دے، یا زانی کو سنگسار کرے، یا قاتل کو قتل کر دے۔

یہ حکم صاحب اقتدار کے لئے ہے

کیونکہ شریعت ایک ایسا قانون ہے جس میں ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھا گیا ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث شریف میں یہ جو حکم آیا ہے کہ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ

مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْ بِیَدِہٖ کہ جوکوئی تم میں سے کسی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، چونکہ ہم ہر برائی کے سلسلے میں اس حدیث کے مخاطب ہیں، لہٰذا اگر کہیں بھی برائی ہورہی ہوگی تو ہم ڈنڈے کے زور پر اس کو روکیں گے، یہ سمجھنا ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں ہاتھ سے برائی روکنے کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کا کسی حلقہ پر کسی جگہ پر اقتدار ہے، وہ اپنے اقتدار کو استعمال کر کے اس برائی کو دور کرے، عام آدمی اگر ڈنڈے کے زور پر برائی روکنے کی کوشش کرے گا تو شرعاً اس کی اجازت نہیں۔

زبان سے اس برائی کو روکے

ہاں! حدیث شریف میں جو دوسرا حکم دیا گیا ہے کہ اپنی زبان سے اس برائی کو روکے، یعنی اس برائی کا برا ہونا زبان سے لوگوں تک پہنچائے، ان کو قرآن و حدیث کے ارشادات سنائے، اور ان کو سمجھائے، اور افہام و تفہیم کے ذریعہ ان کو قائل کرے، ان کو محبت سے، پیار سے، شفقت سے، ہمدردی سے، دل سوزی سے نصیحت کرے، اس طرح زبان سے روکنے کی کوشش کرے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الذاریٰت: ۵۵)

کہ تم نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، اگر نصیحت نصیحت کی طرح ہو، اس کے آداب کے ساتھ ہو، اس کے احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے ہو تو ایسی نصیحت فائدہ سے خالی نہیں جاتی، کبھی نہ کبھی فائدہ ضرور پہنچاتی ہے۔

حق بات کہنے کی تین شرطیں

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے، تو کبھی وہ نقصان نہیں پہنچاتی، گویا کہ اس کے لئے تین شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ بات حق ہو، دوسری شرط یہ کہ نیت حق ہو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو، اور دوسرے کی ہمدردی کی نیت ہو، دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی نیت ہو، اپنی بڑائی ظاہر کرنا مقصود نہ ہو، اور دوسرے کی تحقیر مقصود نہ ہو، بلکہ اللہ کو راضی کرنا، اور اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ، دلسوزی کا برتاؤ کرنا مقصود ہو۔

نصیحت کرنے کا طریقہ حق ہو

تیسری شرط یہ ہے کہ نصیحت کرنے کا طریقہ بھی حق ہو، یعنی وہ طریقہ ہو جو انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ تھا کہ نرمی سے، محبت سے، پیار سے بات کرتے تھے، ہمدردی کے تقاضے پر عمل کرتے تھے، اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اس کو برا لگے گا یا نہیں؟ لیکن میں اپنی طرف سے حق بات، حق طریقے سے اور حق نیت سے پہنچا دوں۔ بہر حال! نصیحت کرنے کی یہ تین شرطیں ہیں کہ بات حق ہو، نیت حق ہو، طریقہ حق ہو۔

نیت درست نہ ہونے سے فساد پھیلتا ہے

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ جو فساد پھیلتا ہے وہ عموماً اس وجہ سے پھیلتا ہے کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو جاتی ہے، یا تو بات ہی حق نہیں ہوتی، بلکہ غلط بات لوگوں تک پہنچا رہے ہیں، اس سے لوگوں کو کیا فائدہ ہوگا، جب بات ہی غلط ہے۔ یا نیت غلط ہوتی ہے، مثلاً نصیحت کرنے والے کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں بڑا ہوں، میں زیادہ جانتا ہوں، میں زیادہ نیک ہوں، زیادہ مقدس ہوں، اور میرے مخاطب فاسق و فاجر ہیں، یہ برے ہیں، اور اس کو نصیحت کرنے سے مقصود اس کی بے عزتی کرنا ہے، تو کسی مسلمان کی بے عزتی کرنا، اور مسلمان کیا، کسی غیر مسلم کی بے عزتی کی بھی اجازت نہیں دی گئی، جس کے ساتھ تمہاری جنگ نہیں ہے، لہٰذا جب نیت ہی خراب ہوگئی تو اس سے فائدہ کیسے پہنچے؟

انبیاء کا مقصد اصلاح ہوتا تھا

حضرات انبیاء علیہم السلام تو دین کی بات پہنچاتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے کہ

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

(ھود:۸۸)

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی کافر قوم سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہتے کہ میرا مقصد سوائے اصلاح کے اور کچھ نہیں ہے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ صحیح بات تم تک پہنچ جائے، اور تم صحیح راستے پر آجاؤ، جہاں تک میری طاقت ہے، میں اصلاح

کا کام کرتا ہوں، اور تمہیں نیچا دکھانا میرا مقصود نہیں ہے، اپنی بڑائی جتانا میرا مقصود نہیں ہے، پیسے کمانا میرا مقصود نہیں ہے، میں تو صحیح اور حق بات تم تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

نیت کا مخاطب پر اثر ہوتا ہے

بہرحال! نیت درست ہونی چاہیے، اس لئے کہ نیت کا مخاطب پر بہت اثر پڑتا ہے، جب اچھی نیت سے دوسروں تک بات پہنچائی جاتی ہے، نیک نیتی سے اخلاص کے ساتھ کوئی بات کہی جاتی ہے تو دلوں پر اثر کرتی ہے، اور جہاں اپنی بڑائی جتانا مقصود ہو تو وہاں ایک کان سے بات داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جائے گی، اور اس کے نتیجے میں دوسرا آدمی فتنہ میں مبتلا ہوگا، اور یہ سمجھے گا کہ یہ تو میری حقارت اور تذلیل کر رہا ہے، میری بے عزتی کر رہا ہے، اس لئے وہ تمہاری بات کیسے سنے گا؟ بہرحال! نیت حق ہونی چاہیے۔

نرمی سے بات کرو، سختی سے نہیں

تیسرے یہ کہ بات کہنے کا طریقہ بھی حق ہونا چاہیے، یعنی نرمی سے، پیار سے محبت سے بات کہنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو ان کو یہ ہدایت دی کہ:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ:۴۴)

اے موسیٰ و ہارون! ہم تمہیں اس سرکش کے پاس بھیج تو رہے ہیں، لیکن تم

لوگ اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت سُن لے، شاید اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ فرعون جیسا شخص جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہوا تھا، اس سے بڑا گمراہ اور کوئی نہیں ہوسکتا، اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ تو جانتے ہی تھے کہ مرتے دم تک اس کو ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوگی، اور یہ کفر کی حالت میں مرے گا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرمایا کہ جا کر نرمی سے بات کرنا، اور تمہیں یہ امید رکھنی چاہیے کہ شاید یہ نصیحت پکڑ لے، شاید اس کے دل میں خشیت پیدا ہو جائے، اللہ کا خوف پیدا ہو جائے، تم چونکہ دعوت دینے کے لئے جا رہے ہو، داعی بن کر جا رہے ہو، لہٰذا تمہارا فرض یہ ہے کہ تم اپنے دل میں اس کے نصیحت قبول کرنے کی امید رکھو، اس سے مایوس نہ ہو، اس لئے اس سے نرمی سے بات کرو۔

تم موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے، اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ نرمی سے بات کرو تو پھر اندازہ لگاؤ کہ ہم یا تم کسی سے کوئی نصیحت کی بات کہیں تو اس میں اور زیادہ نرمی سے بات کرنے کا حکم ہوگا، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الحجر:۸۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرما رہے ہیں، وہ ہستی جو ساری کائنات میں افضل ترین ہستی ہے، جن کے برابر کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا، اور اللہ تعالیٰ کے بعد اس کائنات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی فرد کوئی بشر نہیں ہوسکتا، ان سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جب آپ مؤمنین سے نصیحت کی بات کریں تو اپنے آپ کو ان کے سامنے پست کر دو، یعنی ان کے آگے اپنی فروتنی کا مظاہرہ کرو۔ یہ حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جارہا ہے۔

یہ طریقہ درست نہیں

ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات بات بھی حق ہوتی ہے، اور نیت بھی حق ہوتی ہے، اور اخلاص کے ساتھ بات کی جارہی ہوتی ہے، مگر مجمع عام میں ڈانٹنا شروع کر دیا، مسجدوں میں اس طرح کے معاملات بکثرت نظر آتے ہیں کہ ایک آدمی کوئی غلطی کرتا ہے تو دوسرا آدمی بھرے مجمع میں اس کو ڈانٹنا شروع کر دیتا ہے، اگرچہ بات حق کہہ رہے تھے، اور نیت بھی شاید حق ہوگی، اخلاص کے ساتھ کہہ رہے ہونگے، لیکن طریقہ حق نہیں تھا، اسلئے اسکے نتیجے میں لڑائی جھگڑے پیدا ہوجاتے ہیں، اور فائدہ کے بجائے نقصان ہوجاتا ہے۔ بہرحال! یہ باتیں سمجھنے کی ہیں، اور زندگی میں ان باتوں کو اپنانا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلاصہ

بہر حال! حکم یہ ہے کہ جہاں قدرت اور اقتدار نہ ہو، وہاں زبان سے برائی کو روکنا ضروری ہے، لیکن برائی کو روکنا نصیحت کے طریقے سے ہو، اور نصیحت کا طریقہ وہ جو ابھی میں نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بتائی کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

برائی روکنے کے تین درجے

تفسیر سورۂ عصر (۴)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۱۴ر جنوری ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برائی روکنے کے تین درجے

(سورۃ العصر : ۴)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ● وَ الْعَصْرِ ● اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ● اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ● آمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْم ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ العصر ہے، جس کا بیان پچھلے کئی

جمعوں سے چل رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں یہ بیان فرمایا کہ انسان بڑے خسارے میں ہے اور گھاٹے میں ہے، کیونکہ اس کی عمر کا وقت گزر رہا ہے، اور جو مہلت اس کو اللہ تعالیٰ نے دی تھی، وہ ہر آن گھٹ رہی ہے، البتہ اس خسارے سے بچنے کے لئے چار کام ضروری ہے، ایک ایمان لانا، دوسرے نیک عمل کرنا، تیسرے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا، اور چوتھے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرنا۔

دوسروں کو نیکی کی دعوت بھی ایک فریضہ ہے

لہٰذا اس کے ذریعہ یہ بتایا جارہا ہے کہ کسی انسان کا اپنی ذات میں صرف اپنے عمل کو ٹھیک کرلینا کافی نہیں ہے، بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک دوسروں کی بھلائی چاہنا، اور دوسروں کو نصیحت کرنا، دوسروں کو حق کی طرف بلانا، دوسروں کو صبر کی تلقین کرنا، یہ بھی ایک مسلمان کے فرائض میں داخل ہے، جس کو اس سورۃ میں حق کی نصیحت اور صبر کی نصیحت کہا گیا ہے، اسی کو قرآن کریم میں دوسری جگہوں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر کیا گیا ہے، اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ یہ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو دوسرے لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ دین کا ایک بڑا عظیم باب ہے، یعنی ایک شخص کا دوسرے کو نیکی کی تلقین کرنا، اور برائی سے روکنا۔

برائی سے روکنے کے تین درجات

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے کہ :

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ ، وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَان. (مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان)

یعنی تم میں سے کوئی شخص برائی ہوتے ہوئے دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، اور اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہیں ہے تو اپنی زبان سے اس برائی کو روکے، اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہ ہو، یعنی اندیشہ اس بات کا ہے اگر زبان سے اس کو روکوں گا، یا ٹوکوں گا، یا برا کہوں گا، یا اس کی تنقید کروں گا تو یہ مجھے نا قابل برداشت نقصان پہنچائے گا، تو ایسی صورت میں دل ہی سے اس کام کو برا سمجھے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ یا اللہ! مجھے اس برائی کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرما۔ تین درجے بیان فرمائے اور فرمایا کہ یہ تیسرا درجہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

پہلا درجہ صاحب اقتدار کیلئے

علماء کرام نے قرآن و سنت کی ہدایت کی روشنی میں اس کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے کہ برائی سے روکنے کے جو تین درجات ہیں، ان میں سے جو پہلا درجہ یعنی ہاتھ سے برائی کو روکنا، یہ اس شخص کا کام ہے جس کو کہیں پر اقتدار حاصل ہو،

مثلاً حاکم ہے، اس کو اس بات کی طاقت حاصل ہے کہ وہ برائی کو ہاتھ سے روک سکتا ہے، اس کا فریضہ ہے کہ اگر کوئی برائی ہو رہی ہے تو اپنے ہاتھ سے روکے، یا کوئی شخص کسی محکمہ کا ذمہ دار ہے، اس کو وہاں اقتدار حاصل ہے، اگر اس محکمہ میں کوئی برائی ہو رہی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اس برائی کو روکے، اور ہر انسان کو اپنے گھر پر اقتدار حاصل ہے، اپنے گھر والوں پر، اپنی بیوی پر، اپنے بچوں پر اقتدار حاصل ہے، لہٰذا اگر گھر میں کوئی برائی ہو رہی ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کو روکے، ہاتھ سے روکنے کا ایک موقع تو یہ ہوا۔

ظالم کو ظلم سے روکنے کیلئے ہاتھ کا استعمال

دوسرا موقع ہاتھ سے روکنے کا وہ ہے جہاں آپ کسی دوسرے انسان پر ظلم ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اور آپ کو غالب گمان یہ ہے کہ اگر آپ طاقت استعمال کریں گے تو آپ اس کو ظلم سے بچا سکیں گے، مثلاً ایک قوی ہیکل آدمی دوسرے کو بلا وجہ بے گناہ اس کی پٹائی کر رہا ہے، اور وہ کمزور آدمی اس کے ہاتھوں پٹ رہا ہے، آپ کے ہاتھ میں یہ طاقت ہے کہ اس کمزور کو اس قوی آدمی کے چنگل سے چھڑا لیں، تو اس صورت میں آپ کے ذمے واجب ہے کہ آپ اس مظلوم کو اس ظالم کے ہاتھوں سے چھڑائیں، لہٰذا جہاں انسان کو یہ غالب گمان ہو کہ میں طاقت استعمال کر کے مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچا لوں گا، اور اس کے نتیجے میں مجھے بھی کوئی بہت بڑا ناقابل برداشت نقصان اٹھانا نہیں پڑے گا، تو ایسی صورت میں اپنی طاقت استعمال

کرکے اس کو ظلم سے بچائے۔

چور کو پکڑنے کیلئے ہاتھ کا استعمال

ایک شخص دوسرے کا مال آپ کے سامنے چرا رہا ہے، اور آپ کو غالب گمان یہ ہے کہ میرے اندر اتنی طاقت ہے کہ میں اس چور سے اس چیز کو چھڑا لوں گا، اور اس چور کو چوری سے باز رکھ سکتا ہوں، تو آپ کے ذمہ واجب ہے کہ اس چور کو چوری سے روکیں۔ بہر حال! اگر کسی دوسرے انسان پر ظلم ہو رہا ہے، اور آپ کے اندر اس کو ظلم سے بچانے کی طاقت ہے تو وہاں پر ہاتھ کا استعمال کر کے اس کو ظلم سے بچائیں۔

مسلمان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑنا چاہیے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ ، لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يُسْلِمُهُ

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب المؤاخذة)

یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کرتا ہے، اور نہ ہی اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، یعنی اس طرح نہیں چھوڑتا کہ کوئی ظالم اس پر ظلم کرتا رہے، اور یہ بیٹھا ہوا تماشہ دیکھتا رہے، ایسا نہیں کرتا، بلکہ جب تک طاقت ہے، اس وقت تک دوسرے کو ظلم سے بچانا فرض ہے۔ بہر حال! یہ دو مواقع ہیں جہاں ہاتھ استعمال کر کے برائی کو روکنا ضروری اور واجب ہے، اور مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ ان دو مواقع کے علاوہ کوئی شخص کسی برائی کے اندر مبتلا

ہے، گناہ کے اندر مبتلا ہے، اور آپ اس شخص پر زبردستی کر کے اس کو اس برائی سے روکیں تو یہ شریعت کا حکم نہیں ہے، اس لئے کہ آپ کو اس پر اقتدار حاصل نہیں۔

برائی سے روکنے کا دوسرا درجہ اختیار کریں

ہاں! اس صورت میں دوسرا درجہ آتا ہے، وہ یہ کہ زبان سے اس برائی کو واضح کرنا، اور زبان سے اس برائی کو روکنے کی کوشش کرنا، جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس شخص کو سمجھائیں، فہمائش کریں، نصیحت کریں، اگر نصیحت قبول کرنے کا غالب گمان ہو تو زبان سے نصیحت کرنا واجب اور فرض ہے، مثلاً ایک شخص کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے، یا کوئی غلط کام کر رہا ہے، اور آپ کو غالب گمان یہ ہے کہ اگر میں اس کو محبت سے، پیار سے، شفقت سے بتادوں گا، تو یہ اس گناہ سے باز آجائے گا، تو اس صورت میں زبان سے اس کو روکنا واجب اور فرض ہے، اگر آپ اس صورت میں اس کو زبان سے نہیں روکیں گے تو آپ کو ایسا ہی گناہ ہوگا جیسے نماز چھوڑنے کا گناہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی آپ کے ذمہ واجب ہے، فرض ہے۔

زبان سے نصیحت فرض و واجب ہے

مثلاً آپ ایک شخص کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے، اور نادانی میں ایسا کر رہا ہے، اگر اس کو غلطی کے بارے میں بتادیا جائے تو وہ نماز ٹھیک پڑھنے لگے تو اس صورت میں اس کو بتانا واجب اور فرض ہے۔ یا مثلاً ایک شخص کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے، یا تو اس لئے مبتلا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ یہ گناہ ہے، یا وہ جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے، لیکن بے دھیانی کی وجہ سے گناہ میں مبتلا

ہوگیا، اور آپ کو غالب گمان یہ ہے کہ اگر میں اس کو نصیحت کروں گا تو یہ شخص اس گناہ سے باز آ جائے گا، تو اس صورت میں اس کو زبان سے نصیحت کرنا اور بتانا فرض اور واجب ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ : ۹)

نصیحت کرو، اگر نصیحت فائدہ دینے والی ہو۔ یعنی اگر تمہارا غالب گمان یہ ہو کہ اس سے فائدہ پہنچے گا، اور یہ اس نصیحت کو قبول کرے گا۔

شاید کہ بات دل میں اتر جائے

اور اگر تمہارا غالب گمان یہ نہ ہو، بلکہ یہ خیال ہو کہ معلوم نہیں کہ وہ مانے گا یا نہیں مانے گا، تو ایسی صورت میں زبان سے اس کو روکنا فرض تو نہیں ہے، لیکن پھر بھی بہتر ہے کہ نصیحت کی جائے، اگر وہ آپ کی نصیحت مان لیتا ہے تو آپ کا مقصد حاصل ہوگیا، اور اگر وہ نہیں مانتا تو آپ نے کم از کم اپنا کام کرلیا، اور اللہ تعالیٰ سے پہلے دعا بھی کرو کہ یا اللہ! میں اس کو نصیحت کرنے جارہا ہوں، آپ اپنی رحمت سے اس کے دل میں بات ڈال دیجئے، بعض اوقات اندازہ بھی نہیں ہوتا لیکن کوئی ایک کلمہ بھی دوسرے انسان پر کارآمد ہوجاتا ہے، یہ سب زبان سے سمجھانے کے اندر داخل ہے۔

انفرادی نصیحت کا حکم

یہاں یہ بھی تفصیل عرض کردوں کہ زبان سے سمجھانے کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک انفرادی طور پر کسی کو سمجھانا، دوسرے اجتماعی طور پر لوگوں کو دعوت دینا،

جیسے کوئی مجمع ہے، اور اس مجمع کو کوئی نیکی کی بات سمجھائی جارہی ہے، یا بتائی جارہی ہے، جیسے وعظ و تقریر کے ذریعہ بتانا ہوتا ہے، ان دونوں کے بارے میں علیحدہ علیحدہ اصول ہیں، آج میں صرف پہلی قسم کے بارے میں عرض کررہا ہوں کہ کسی کو انفرادی طور پر سمجھانے اور انفرادی طور پر نصیحت کرنے کے بارے میں یہ اصول ہے کہ اگر نصیحت کے قبول کرنے کا غالب گمان ہو تو اس طرح نصیحت کرنا فرض عین ہے، اور گر غالب گمان نہ ہو تو پھر فرض تو نہیں، لیکن پھر بھی نصیحت کرنا مستحب ہے، اور بہتر ہے، کیا پتہ آپ کی نصیحت اس کے دل پر اثر کرجائے، اور اللہ تعالیٰ اس کو مؤثر بنادے۔

دوسروں کو ہدایت کرنا بہترین عمل ہے

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لَئِنْ يُهْدِيَ بِكَ اللّٰهُ رَجُلًا خَيْرًا لَكَ مِنْ حُمُرِ النِّعَمِ

(ابو داؤد، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم)

فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے کسی ایک انسان کو بھی راہ راست پر لے آئے، اور اس کو ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اہل عرب کے ہاں سرخ اونٹ بہت بڑی دولت سمجھی جاتی تھی، یعنی بہت بڑی دولت سے بھی یہ زیادہ بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے کسی ایک انسان کو ہدایت دیدے، اور تمہارے اعمال نامے میں وہ نیکی لکھی جائے گی، اور قیامت تک وہ جب کبھی کوئی نیک عمل کرے گا، یا کسی برائی سے رکے گا، وہ تمہارے نامہ اعمال

میں لکھا جائے گا، اور تمہارے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، اور اس کا ثواب تمہیں ملتا رہے گا، لہٰذا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ کسی کو حق بات پہنچا دینا، حق بات کی نصیحت کر دینا، برائی سے روکنے کی نصیحت کر دینا۔

بات خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ کہی جائے

لیکن جیسا کہ میں نے پچھلی مرتبہ بھی عرض کیا تھا کہ دوسرے کو جو بات کہی جائے وہ ہمدردی کے ساتھ ہو، خیر خواہی کے ساتھ، اور شفقت و محبت کے ساتھ ہو، پیار کے ساتھ ہو، اگر اس میں خراب نیت شامل ہوگئی، مثلاً یہ کہ اپنی بڑائی جتانے کی نیت شامل ہوگئی، اور دل میں یہ خیال آگیا کہ میں بڑا ہوں، میں جانتا ہوں، یہ نہیں جانتا، یا یہ خیال آگیا کہ میں نیک ہوں اور یہ برا ہے، اور اس کے نتیجے میں آپ نے اس کی تحقیر و تذلیل کر کے کوئی بات کہی تو اس سے نہ صرف یہ کہ اس نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ اس پر ثواب بھی نہیں ملے گا۔ تجربہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر بات کا اثر بھی نہیں ہوتا، کیونکہ تم جو نصیحت کر رہے ہو، وہ بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں کر رہے ہو۔ لہٰذا آدمی جو بات کہے وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے کہے، اخلاص کے ساتھ، للہیت کے ساتھ کہے، اور دل میں یہ جذبہ ہو کہ کسی طرح یہ صحیح بات میرے بھائی تک پہنچ جائے، کیونکہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ بہر حال! سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نیت درست ہونی چاہیے۔

صحیح طریقہ سے بات کہی جائے

دوسرے یہ کہ صحیح نیت کے ساتھ طریقہ بھی صحیح ہونا چاہیے، یعنی طریقہ نصیحت

کا ہونا چاہیے، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا '' وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ '' یعنی ایک دوسرے کو حق کے ساتھ وصیت کرتے ہیں، اور '' وصیت '' عام طور پر اس نصیحت کو کہتے ہیں جو مرنے والا اپنے رشتہ داروں کو اپنے دوستوں کو کوئی نصیحت کرتا ہے، آپ تصور کریں کہ ایک آدمی جو دنیا سے جا رہا ہے، اور اس وقت وہ کوئی نصیحت کرے گا تو کتنی دلسوزی کے ساتھ نصیحت کرے گا، اس میں ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوتی، بلکہ اس میں محبت اور پیار ہوتا ہے، اس میں شفقت ہوتی ہے، اس میں خیر خواہی ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم دوسرے کو نصیحت کرو تو ایسے کرو جیسے مرنے والا جاتے جاتے اپنی اولاد کو پیار سے نصیحت کرتا ہے، تم بھی اسی طرح نصیحت کرو، ڈانٹ ڈپٹ سے اصلاح نہیں ہوتی، تمہیں کیا حق ہے کہ تم دوسرے کو ڈانٹو، ہاں سمجھانے کا حق ہے، نصیحت کرنے کا حق ہے، اور نصیحت کرنے میں ایسے الفاظ استعمال کرو جس سے دوسرے کی دل شکنی نہ ہو، دل آزاری نہ ہو، اور ایسے طریقے اختیار کرو جس سے وہ اپنی تذلیل محسوس نہ کرے، اب اگر مجمع عام میں آپ نے کسی کو نصیحت شروع کر دی تو یہ ذلیل کرنے والی بات ہوئی کہ تم یہ کرتے ہو، یہ کرتے ہو۔ لہٰذا اگر کسی کو سمجھانا ہے تو اس کو خلوت میں سمجھاؤ، تنہائی میں سمجھاؤ، پیار سے سمجھاؤ، ایسے انداز سے سمجھاؤ جس کے ذریعہ وہ اپنی سبکی محسوس نہ کرے، اپنی تذلیل محسوس نہ کرے، اور آپ نصیحت کے ذریعہ اپنی بڑائی ظاہر نہ کر رہے ہوں، مثلاً یہ کہ بھائی ہم نے تو اس بارے میں سنا ہے کہ شریعت کا یہ حکم ہے، اگر آپ اس کے مطابق عمل کریں تو بہت ہی اچھی بات ہے، اس انداز سے نصیحت کریں، البتہ

اگر اس کے باوجود کوئی شخص برا مانتا ہے تو پھر مانا کرے، لیکن اپنی طرف سے طریقہ صحیح ہونا چاہیے۔

نرمی سے بات کہنی چاہیے، سختی سے نہیں

آج ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اگر کسی دوسرے کو حق کی نصیحت کی جاتی ہے تو یا تو نصیحت صحیح نہیں ہوتی، یا طریقہ صحیح نہیں ہوتا، یہ پیغمبروں کا طریقہ نہیں۔ دیکھئے! حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس بھیجا تھا کہ تم جا کر فرعون کو ایمان کی دعوت دو، وہ فرعون جو کافر تھا، ظالم تھا، تکبر اور رعونت رکھنے والا تھا، آج بھی ان صفات کے حامل کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو فرعون بنا ہوا ہے، وہ فرعون جو خدائی کا دعویدار تھا، اس کے پاس جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بھیجا تو ان کو یہ ہدایت نامہ دیا کہ :

قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ : ۴۴)

کہ تم دونوں جا کر اس سے نرمی سے بات کرنا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ فرعون جیسے ظالم و جابر کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ جا کر اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت مان لے، شاید اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ فرعون ماننے والا نہیں ہے، اور آخر تک وہ بات نہیں مانے گا، اور وہ خدائی کا دعویدار ہے، کسی صحیح بات کو سننے کا روادار نہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا کہ تمہارا

کام یہ ہے کہ نرمی سے بات کرنا۔ اور داعی کے دل میں یہ امید ہونی چاہیے کہ شاید وہ نصیحت قبول کرلے، لہٰذا داعی کا یہ کام نہیں کہ وہ یہ دیکھے کہ یہ شخص تو بالکل قابو سے باہر ہے، بلکہ داعی کے دل میں یہ امید رہنی چاہیے کہ شاید یہ مان لے۔ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

نصیحت کا پیغمبرانہ انداز

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے، اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا جارہا ہے کہ نرمی سے بات کرنا تو آج تمہارے لئے یہ کیسے جائز ہوگیا کہ لوگوں کے ساتھ سختی کرتے پھرو، لہٰذا بات کہو تو نرمی سے کہو، یہ قرآن کریم کا حکم ہے، اور پیغمبروں کا طریقہ یہ ہے کہ مخالفین تو ان کو گالیاں دیتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، اذیتیں پہنچاتے ہیں، لیکن پیغمبران کی گالیوں کا جواب گالی سے نہیں دیتے، پیغمبر برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، پیغمبر سے کہا جارہا ہے کہ :

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ

(الاعراف : ٦٦)

قوم اپنے پیغمبر سے کہہ رہی ہے کہ ہم تم کو پرلے درجے کا بیوقوف سمجھتے ہیں، اور تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ پیغمبر کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو وہ جواب میں یہ کہتا تو بیوقوف، تیرا باپ بیوقوف، تیرا دادا بیوقوف۔ اور تم مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو، ارے تو

جھوٹا، تیرا باپ جھوٹا۔ لیکن پیغمبر کا جواب یہ تھا کہ :

يَا قَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(الاعراف : ٦٧)

اے میرے قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ان کی گالی کو ایک واقعہ بنا کر اور اس کی تردید کر کے جواب دے رہے ہیں کہ میں تو تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہوں، چاہے تم مجھے گالی دو، یا جو کچھ کہو۔ لہٰذا پیغمبر کبھی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش

بہر حال! پیغمبرانہ دعوت کے اندر سختی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اندر نرمی ہوتی ہے، اس کے اندر محبت ہوتی ہے، اس کے اندر تڑپ ہوتی ہے، ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو کولہیوں سے پکڑ پکڑ کر جہنم سے نکالوں۔ اس لئے کہ میں اپنی آنکھوں سے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ لوگ جہنم کی طرف جا رہے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح کولہی بھر بھر کر ان کو جہنم سے نکالوں۔ آپ ان کی وجہ سے غمگین اور پریشان ہو رہے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء : ٣)

کہ کیا آپ اپنی جان گھلا دیں گے اس فکر میں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں

لاتے، اس لئے کہ آپ کو یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ میں کسی طرح اپنی قوم کو غلط راستے سے نکالوں۔ ایک داعیؔ کے دل میں یہ فکر پیدا ہونی چاہیے، تب وہ ''تواصی بالحق'' اور ''تواصی بالصبر'' کا اہل بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا اہل بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے

بھائی! جب کبھی ایسی نوبت آئے تو یہ ضروری ہے یہ دل میں فکر ہو، اور خیر خواہی ہو، اور خیر خواہی کا طریقہ بھی درست ہو، اور یاد رکھئے کہ زبان سے جو دوسرے شخص کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے کا معاملہ ہے، اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت پیارا اسلوب اختیار فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ :

اَلْمُؤمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤمِنِ

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی النصیحۃ)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔ یعنی جس طرح آدمی جب آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کو اپنا چہرہ صحیح طور پر نظر آجاتا ہے، اگر چہرہ پر کوئی داغ دھبہ لگا ہو تو وہ آئینہ اس کو بتا دیتا ہے، کہ تمہارے چہرے پر داغ لگا ہوا ہے، اس کو صاف کرلو۔ اسی طرح ہر مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے، اس کو اپنا دھبہ نظر نہیں آرہا تھا، تم نے اس کو بتا دیا، یہ آئینہ کا کام ہے، اور تمہیں اپنا دھبہ نظر نہیں آرہا تھا، اس نے تمہیں بتا دیا، تو اس نے تمہارے لئے آئینہ کا کام کیا۔

آئینہ دوسروں کو عیوب نہیں بتاتا

اس حدیث شریف کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو آئینہ قرار دیا ہے، اور آئینہ کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے کھڑا ہے، اسی کو اس کا عیب بتائے گا، دوسروں سے کہتا نہیں پھرے گا کہ فلاں کے اندر یہ عیب ہے، بس صرف سامنے کھڑے ہونے والے کو بتادے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، تمہارے اندر یہ خرابی ہے، تمہارے چہرے پر یہ داغ لگا ہوا ہے، لیکن جب وہ شخص آئینہ کے سامنے سے ہٹ جائے گا، اور دوسرا شخص اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگا تو وہ اس سے یہ نہیں کہے گا تم سے پہلے جو شخص یہاں آیا تھا، اس کے منہ پر دھبہ لگا ہوا تھا۔

تم بھی آئینہ بن جاؤ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کے ذریعہ بتادیا کہ اگر تم بھی کسی مؤمن کے اندر کوئی برائی دیکھو تو اسی مؤمن سے کہو، جیسے آئینہ اسی سے کہتا ہے، دوسروں سے کہتے مت پھرو کہ فلاں کے اندر یہ برائی ہے، فلاں کے اندر یہ برائی ہے، کیونکہ یہ غیبت ہے، اور دوسروں کی تذلیل اور تحقیر ہے، اس کو بدنام کرنے کا راستہ ہے، جو ایک مؤمن کا کام نہیں، لہٰذا اسی سے کہو، اور محبت سے کہو، اور پیار سے کہو۔

دعا بھی کرو

اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! میں نے اس سے کہہ تو دیا ہے،

لیکن اے اللہ! اپنی رحمت سے اس کے دل میں یہ بات ڈال دیں کہ وہ میری بات کو قبول کرلے، کیا بعید ہے کہ تمہارے ذریعہ سے اس کو اس برائی سے نجات مل جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

برائی کو روکنے کی کوشش کرو

تفسیر سورۂ عصر (۵)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	۴رفروری ۲۰۱۱ء
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برائی کو روکنے کی کوشش کرو

(سورۃ العصر : ۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ وَ الْعَصْرِ ٭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ٭ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٭ آمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْم ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ العصر ہے، جس کی تفسیر کا بیان کچھ

عرصے سے چل رہا ہے، یاددہانی کے لئے سورۃ کا ترجمہ ایک مرتبہ پھر پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زمانے کی قسم، تمام انسان خسارے میں ہیں، گھاٹے میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کو اس کی زندگی میں جو عمر دی گئی ہے، وہ ہر آن گھٹ رہی ہے، اس لئے اس کا خسارہ ہو رہا ہے، اس خسارے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار کام ضروری قرار دیے، جو انسان یہ چار کام کرے گا، وہ خسارے سے بچ جائے گا، اور اس کو خسارے کے بجائے نفع حاصل ہوگا، ایک ایمان لانا، دوسرے نیک عمل کرنا، تیسرے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا، چوتھے صبر کی ایک دوسرے کو نصیحت کرنا۔

استطاعت کی حد تک تبلیغ بھی ضروری ہے

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ جہاں تک ایمان اور عمل صالح کا تعلق ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ انسان کی نجات کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، لیکن تیسری اور چوتھی چیز جن کا اس سورۃ میں ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کا صرف اپنے آپ کو ٹھیک کر لینا کافی نہیں، بلکہ اس کے ذمے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی استطاعت کی حد تک حق باتوں کی اور صبر کی تبلیغ کرے، یعنی شریعت کے احکام کی تبلیغ کرے، اور ان کو دوسروں تک پہنچائے، اور یہ حدیث پچھلے جمعوں میں میں نے آپ کو سنائی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہ ہوتو زبان سے روکے، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو کم از کم دل سے اس کو برا سمجھے۔

صاحب اقتدار ہاتھ سے روکے

میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ جو پہلی صورت ہے، یعنی ہاتھ سے اس برائی کو روکنا، یہ درحقیقت ان لوگوں کے لئے ہے جو صاحب اقتدار ہیں، حاکم ہیں، یا اپنے محکمے کے سربراہ ہیں، یا اپنے خاندان کے سربراہ ہیں، ان کے ذمہ واجب ہے کہ اگر وہ کوئی برائی دیکھیں تو صرف زبانی فہمائش پر اکتفا نہ کریں، بلکہ اپنے ہاتھ سے اس کو روکیں، کیونکہ ان کو اس کی طاقت حاصل ہے۔

صاحب اقتدار کیلئے ہاتھ سے روکنا فرض عین ہے

اس میں ایک بات کا اور اضافہ آج کر دینا مناسب ہے، وہ یہ کہ ایک اقتدار اس قسم کا ہوتا ہے کہ آدمی کو قانونی طور ہر کسی جگہ کی سربراہی حاصل ہے، جیسے کسی خاندان کا سربراہ ہوتا ہے، یا کسی محکمہ کا سربراہ ہوتا ہے، اس کو قانونی طور یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اگر کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھ رہا ہے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، ایسے موقع پر تو برائی کو روکنا فرض عین ہوتا ہے، اگر وہ نہیں روکے گا تو اس کو ایسا ہی گناہ ہوگا جیسے نماز چھوڑنے کا گناہ ہوتا ہے، روزہ چھوڑنے کا گناہ ہوتا ہے، زکاۃ نہ دینے کا گناہ ہوتا ہے۔

اثر ورسوخ والے پر بھی فرض عین ہے

لیکن ایک صورت اور ہوتی ہے، وہ یہ کہ کسی شخص کو قانونی طور پر مکمل اقتدار تو حاصل نہیں، لیکن اس کا اخلاقی اثر ورسوخ اتنا ہے کہ اگر وہ اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لائے تو برائی رُک سکتی ہے، تو اس صورت میں بھی اس پر فرض ہے کہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لائے، اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کرو کہ ایک علاقے میں کچھ لوگ آباد ہیں، اور وہ لوگ سب مل جل کر رہتے ہیں، اور کسی شخص کو اسی علاقے کے لوگ اپنا بڑا سمجھتے ہیں، قانونی طور پر تو وہ بڑا نہیں، لیکن اس علاقے کے سب لوگ اس کی عزت کرتے ہیں، اس کی بات مانتے ہیں، اس کی بات کو وزن دیتے ہیں، اب اگرچہ اس کو اس علاقہ پر قانونی اقتدار تو حاصل نہیں ہے، لیکن اس کا اثر ورسوخ اتنا ہے کہ اگر وہ کوئی بات کہے گا تو لوگ اس کی بات ماننے سے انکار نہیں کریں گے، ایسی صورت میں اگر اس محلے کے اندر، یا اس آبادی کے اندر جہاں اس کو اثر و رسوخ حاصل ہے، وہاں کوئی برائی ہو رہی ہے، پھر وہ شخص اس برائی کو نہیں روکتا تو اس کے لئے یہ گناہ ہے، اس کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنا اثر ورسوخ کام میں لائے اور اس برائی کو روکے۔

فلیٹوں کی یونین کا صدر برائی کو رکوائے

مثلاً جیسے آج کل بہت سارے فلیٹوں پر مشتمل ایک پلازہ اور ایک کمپاؤنڈ ہوتا ہے، اس کے اندر بہت سے لوگ رہتے ہیں، اب مثلاً کوئی شخص وہاں پر کوئی فحش قسم کی تصویر لاکر لگا دیتا ہے، جو نوجوانوں کے لئے مخرب اخلاق ہے، اور وہ بڑا

آدمی یہ سب دیکھ رہا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ اگر میں روکوں گا تو یہ معاملہ رُک جائے گا، اور یہ تصویر ہٹا دی جائے گی، لیکن وہ شخص پھر بھی نہیں روکتا، تو وہ گناہ گار ہوگا، اس کے ذمے فرض ہے کہ وہ اس برائی کو ہاتھ سے روکے، اور لوگوں سے کہے کہ جب تک میں یہاں موجود ہوں، یہ برائی یہاں نہیں ہوگی۔ بہر حال! اگر کسی شخص کا کسی علاقے پر قانونی اقتدار نہ سہی، لیکن اس کا اثر ورسوخ اتنا ہے کہ اس کی بات مانی جاتی ہے، اس پر بھی روکنا لازم ہے۔

لوگ جسکی بات مانتے ہوں اسکی ذمہ داری ہے

اس کی ایک دوسری شکل اور بھی ہو سکتی ہے، وہ یہ کسی ایک آدمی کے بارے میں ایسا نہیں ہے کہ سب لوگ اس پر متفق ہوں، اور اس کی بات مانتے ہوں۔ لیکن اس کو امید ہے کہ اگر میں اپنے محلے والوں کو جمع کر کے ایک جماعت بنا لوں گا، اور وہ جماعت مل کر برائیوں کے خلاف کام کرے گی تو برائیاں ختم ہو جائیں گی، تب بھی لوگوں کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ سب مل کر اجتماعی کوشش کریں۔ آج ہم لوگ اس طرف سے بڑی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، بہت سی برائیاں ہمارے معاشرے میں ایسی پھیلی ہوئی ہیں کہ اگر سب لوگ مل جل کر آپس میں اجتماعی کوشش کریں تو وہ برائیاں رُک سکتی ہیں، لیکن ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے کام میں مگن ہے، اور اجتماعی کوشش کرنے کے لئے کوئی شخص اپنا وقت دینے کو تیار نہیں، اس کے نتیجے میں برائیاں پھیل رہی ہیں۔

اس عبادت گزار کو بھی ہلاک کردو

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک بستی والے بہت سی برائیوں کے اندر مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ عذاب سے پہلے ان کو تنبیہ کی جاتی ہے، اور ان کو اصلاح کا موقع دیا جاتا ہے، لیکن جب لوگ اپنی گمراہی پر ڈٹے رہتے ہیں تو پھر آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ، اور فلاں بستی کو پلٹ دو، تاکہ وہ سب ہلاک ہوجائیں، جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! جس بستی کو آپ پلٹنے کا حکم دے رہے ہیں، وہاں آپ کا ایک ایسا بندہ رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی، وہ آپ کا عبادت گزار، اطاعت شعار بندہ ہے، اور جب میں اس بستی کو پلٹوں گا تو وہ بھی مارا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ، اس بستی کو پلٹ دو، اور اس عبادت گزار سمیت سارے انسانوں کو ہلاک کردو، کیوں؟ اس لئے کہ اگرچہ وہ شخص اپنی ذات میں تو عبادت گزار تھا، لیکن میری نافرمانیاں جو پورے شہر میں ہو رہی تھیں، اس کی وجہ سے اس کے چہرے پر کبھی بل نہیں آیا، کبھی ان نافرمانیوں پر اس نے ناگواری کا اظہار بھی نہیں کیا، اس لئے اس کو بھی ہلاک کردو۔

ہم برائی روکنے کی کوشش نہیں کرتے

لہٰذا جہاں انفرادی طور پر قدرت ہو، یا جہاں لوگ مل کر اجتماعی کوشش کر کے کسی برائی کو روک سکتے ہیں، پھر بھی اس برائی کو نہ روکیں تو سب کے سب گناہ گار

ہوں گے۔ آج ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ کتنی برائیاں ایسی ہیں جو ہمارے معاشرے میں پھیل رہی ہیں، اور بعض اوقات ہم دل سے ان کو برا بھی سمجھتے ہیں، لیکن ان کو ختم کرنے کی کوئی اجتماعی کوشش بھی نہیں کرتے، حالانکہ اگر اجتماعی کوشش کریں تو اس صورت میں بسا اوقات وہ کوشش کامیاب بھی ہو جاتی ہے، اور وہ برائی مٹ سکتی ہے، لیکن ہم یہ نہیں کرتے، حالانکہ ایسا نہ کرنا گناہ ہے۔ بہر حال! جہاں بھی قدرت حاصل ہو، چاہے قانونی اقتدار حاصل ہو، یا اثر ورسوخ کے نتیجے میں قدرت حاصل ہو، چاہے وہ انفرادی طور پر ہو، یا اجتماعی طور پر ہو، تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ کوئی ایسی اجتماعی شکل پیدا کی جائے، جس کے نتیجے میں وہ برائی ختم ہو جائے۔

ٹی وی پر آنے والی عریانی اور فحاشی کو روکئے

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج کل عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے، سڑکوں پر آنکھوں کو بچانا مشکل ہے، جگہ جگہ فحش قسم کی تصویریں لگی ہوئی ہیں، اور گھر گھر ٹی وی کے ذریعہ جو فحاشی کا ایک سیلاب امڈا ہوا ہے، ہر گھر اس کے اندر مبتلا ہے، کوئی گھر ایسا نہیں ہے جس میں ٹی وی موجود نہ ہو، اور اس کے اندر شروع شروع میں حجاب ہوتا ہوگا، لیکن بار بار دیکھ کر نگاہیں اتنی عادی ہو چکی ہیں، اب چاہے خبریں دیکھ رہے ہوں، یا ایسے پروگرام دیکھ رہے ہوں جس میں بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آرہی، لیکن اس کے درمیان میں بے شمار ایسی چیزیں آتی ہیں، جو حیا سوز ہوتی ہیں، اور اخلاقی اعتبار سے شرمناک ہوتی ہیں، لیکن ہم سب بڑے اطمینان سے اس کو گوارہ

کررہے ہیں، کبھی کوئی زبان پر یہ بات لے آتا ہے کہ آج کل ٹی وی نے بڑی فحاشی پھیلا دی ہے، لیکن اس کو روکنے کے لئے کوئی کوشش موجود نہیں، اگر یہ ٹی وی دیکھنے والے اخبار پڑھنے والے اجتماعی طور پر کوشش کریں، اور ان کے ذمہ داروں سے وفد کی شکل میں ملاقات کریں، ان سے بات چیت ہو، اور ابتدائی مرحلے میں ان کی فہمائش ہو، اس سے انشاء اللہ تبدیلی آئے گی۔

ایسے چینل اور اخبارات کا بائیکاٹ کر دیا جائے

فہمائش کے علاوہ ایک ہتھیار ہر مسلمان کے ہاتھ میں موجود ہے، وہ ہے ''بائیکاٹ کرنا'' ایسے اخبارات اور ٹی وی کے ذمہ داروں سے کہہ دیا جائے کہ جب تک اس قسم کی چیزیں تمہارے چینلز پر آتی رہیں گی، ہم تمہارے چینلز نہیں دیکھیں گے، ہم تمہارے اخبار نہیں خریدیں گے، یہ قدرت ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ اگر عام مسلمان اس بات کا تہیہ کرلیں کہ جن اخبارات میں غیر اخلاقی مواد آتا ہے، ان کا ہم عملاً بائیکاٹ کریں گے، آپ دیکھیں گے اس بائیکاٹ کے ذریعہ کتنی جلدی ان اخبارات کی اور ٹی چینلز کی اصلاح ہوسکتی ہے، اس لئے کہ یہ سب ادارے تجارتی بنیادوں پر چل رہے ہیں، ان کو پیسہ چاہیے، اگر ان کو پیسہ کم ہوتا ہوا نظر آئے گا، یا پیسوں سے محروم ہوتے دیکھیں گے، تو انشاء اللہ چند دنوں کے اندر ان کے حالات بدل جائیں گے۔

پرامن ذرائع سے روکنے کی کوشش کریں

درحقیقت بہت سے پہلو ایسے ہیں جن میں ہم لوگ بڑی کوتاہی برت رہے

ہیں، اس سورۂ عصر کی ان آیات پر عمل کرنے میں ہمارے طرف سے بڑی غفلت ہو رہی ہے، اس لئے کہ جہاں ہم کسی برائی کو اپنی کوشش سے روک سکتے ہیں، وہاں بھی ہم اپنی کوشش صرف نہیں کرتے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ شریعت نے ہمیں پرتشدد کوشش کا حکم نہیں دیا، مثلاً یہ کہ ہم ڈنڈے لے کر کھڑے ہو جائیں، یا قانون کو ہاتھ میں لے کر کوئی بدامنی پیدا کریں، کیونکہ بدامنی کو شریعت نے کسی مرحلے میں جائز قرار نہیں دیا۔ لیکن بہت سے پرامن ذرائع ایسے ہیں کہ ہم ان ذرائع کا استعمال کر کے بہت سی برائیوں کا سدباب کر سکتے ہیں، لیکن ہمارے دلوں میں اس کام کی اہمیت نہیں، دل میں اس کا اہتمام نہیں، اور ہم یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم تو اپنی ذات میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں، اور روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، عمرے بھی کرتے ہیں، اور صدقات و خیرات بھی کرتے ہیں، اور بس انہی اعمال پر مطمئن ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

نصیحت خیرا خواہی کے ساتھ ہو

لیکن سورۂ عصر ہمیں یہ پیغام دے رہی ہے کہ صرف اتنا عمل کافی نہیں ہے، بلکہ ''تواصوا بالحق'' اور ''تواصوا بالصبر'' پر بھی عمل ہونا چاہیے، ہاں! ان الفاظ میں یہ بات بھی پنہاں ہے کہ جو بھی نصیحت ہو وہ خیر خواہی کے ساتھ ہونی چاہیے، ہمدردی کے ساتھ ہونی چاہیے، دلسوزی سے ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ دوسرا آدمی اس کے اندر اپنی توہین محسوس کرے، ایسے طریقے کو اختیار نہیں کرنا چاہیے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

(النحل : ۱۲۵)

یعنی تم لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت کے ساتھ، اور خوش اسلوب نصیحت کے ذریعہ بلاؤ۔ خود قرآن کریم نے طریقہ بتادیا کہ ایک تو نصیحت کرنے میں حکمت چاہیے، اور حکمت کے معنی ہیں ''دانائی'' یعنی نصیحت کے لئے مناسب موقع تلاش کرو، مناسب انداز اختیار کرو، جو دوسروں کے دل پر اثر انداز ہو۔ اور ایسے موقع پر بات نہ کہو کہ وہ بات ہوا میں اُڑ کر ختم ہو جائے۔ اور جب بات کرو تو خوش اسلوبی کے ساتھ نصیحت کے انداز میں کرو، خیر خواہی کے انداز میں کرو، جیسے کوئی باپ اپنی اولاد کو خیر خواہی کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ سمجھاتا ہے، اس طرح تم دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرو۔

علامہ شبیر احمدؒ عثمانی کا قول

جب اس طرح پیغمبرانہ دعوت دینے کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بے اثر نہیں رکھتے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول سنایا تھا کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو کبھی اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، لیکن شرط یہ ہے کہ بات بھی حق ہو، نیت بھی حق ہو، یعنی دوسرے کی خیر خواہی مقصود ہو، اور طریقہ بھی حق ہو، یعنی ایسے انداز سے بات کہی جائے کہ اس کے دل میں اتر جائے۔

ایک بزرگ کا نصیحت کا انداز

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں پڑھا کہ ایک بزرگ تھے، انہوں نے اپنے ملنے والوں میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ ان کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہے۔ اب حدیث شریف میں شلوار، یا پائجامہ وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے کرنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اور فرمایا کہ :

مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْاِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ

(بخاری، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین فھو فی النار)

یعنی شلوار اور پائجامہ کا جو حصہ ٹخنو سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اور یہ ایسا گناہ بے لذت ہے جو آج کل پورے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ بہر حال! ان بزرگ نے اس شخص کو دیکھا کہ اس کی شلوار یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے جارہا ہے، اب اگر ان کو براہ راست ٹوکتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس کو اپنی توہین سمجھے، اپنے اوپر حملہ سمجھے، اس لئے ان بزرگ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس شخص سے کہا کہ بھائی! میری ایک ضرورت ہے، اگر آپ پوری کردیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ یہ کہ جب میں لباس پہنتا ہوں تو میرا پائجامہ بعض اوقات خود بخود ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے، اور مجھے احساس نہیں ہوتا، اور بعض اوقات مجھے نظر نہیں آتا، اس لئے میں کھڑے ہوکر دکھاتا ہوں، آپ ذرا دیکھ کر بتادیں کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہے۔ اس طرح اس معاملہ کو اپنے اوپر لے کر یہ مسئلہ بتادیا کہ یہ چیز جائز

نہیں۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ حضرت! آپ کا پائجامہ کہاں نیچے ہوتا ہے۔ غلطی میری ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے جارہا ہے، آپ کے اس کہنے کے بعد مجھے تنبیہ ہوگئی ہے، آئندہ انشاء اللہ میں اس سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ اس طرح سے نصیحت کرنی چاہیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نصیحت کا طریقہ دل میں ڈال دیتے ہیں

لیکن یہ صورت وہی شخص اختیار کرتا ہے جس کے دل میں تڑپ ہو، اور اس کو اس بات احساس ہو کہ مجھے خود بھی صحیح ہونا ہے، اور دوسروں کو صحیح کرنے کا فریضہ بھی میرے ذمہ عائد ہوتا ہے، یہ احساس جب پیدا ہوجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نصیحت کرنے کا طریقہ بھی سمجھا دیتے ہیں، پھر ایک ایسا مرحلہ آتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں القا ہوتا ہے کہ یہ بات اس طرح کہو۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو کاندھلہ کے بزرگ تھے، ایک مرتبہ سفر میں جارہے تھے، راستے میں مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، راستے میں ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، آپ مسجد میں تشریف لے گئے، دیکھا تو مسجد میں کوئی بھی نہیں ہے، کوئی اذان دینے والا بھی نہیں، چنانچہ خود ہی اذان دی، ایک ساتھی ساتھ تھے، ان کے ساتھ مل کر دو آدمیوں نے جماعت کی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد پریشان ہوئے کہ مسجد کے آس پاس مسلمانوں کی بستی بھی ہے، لیکن اس کے باوجود مسجد ویران پڑی ہوئی ہے، دل میں دکھ ہوا، چنانچہ آپ اس بستی

میں تشریف لے گئے، اور بستی والوں سے کہا کہ یہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اور اس طرح یہ مسجد ویران پڑی ہے، اور دھول مٹی سے یہ مسجد اٹی ہوئی ہے، اس کو صاف کرنے والا بھی کوئی نہیں، آپ لوگ ماشاء اللہ مسلمان ہیں، لہٰذا آپ لوگ اس مسجد کو آباد کرنے کی کوشش کریں۔

نواب صاحب کو نماز کیلئے راضی کریں

آپ کی بات سن کر ایک صاحب نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم سب لوگ کاشتکار ہیں، اور ہمارے نواب صاحب کا ایک محل ہے، اور وہ نواب صاحب اس محل میں رہتے ہیں، آپ جا کر نواب صاحب کو اس کام کے لئے راضی کریں، اگر وہ راضی ہو گئے، اور مسجد میں آنے لگے تو ساری بستی نمازی بن جائے گی، مولانا صاحب نے پوچھا کہ ان نواب صاحب کا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے بتا دیا، چنانچہ نواب صاحب کے گھر تشریف لے گئے، جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! میں نواب صاحب کے پاس جا رہا ہوں، آپ میرے دل میں ایسی بات ڈال دیں کہ میں جا کر اس کے ذریعہ اس کو نصیحت کروں، اور وہ بات اس کے دل میں اتر جائے، چنانچہ آپ نے جا کے نواب صاحب سے کہا کہ آپ کی بستی میں ایک مسجد ہے، یہ مسجد ویران پڑی ہے، آپ ماشاء اللہ مسلمان ہیں، اگر آپ مسجد میں آجایا کریں تو آپ کی اقتداء میں بستی کے سارے لوگ آیا کریں گے، اور پھر ساری بستی والوں کے نماز پڑھنے کا ثواب آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اس لئے آپ مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیا کریں۔

بے وضو نماز پڑھنے کی اجازت

نواب صاحب نے کہا کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے، لیکن میرے لئے مشکل یہ ہے کہ میں وضو نہیں کرسکتا، وضو کرنا میرے بس سے باہر ہے، ایک مسئلہ تو یہ ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس طوائفیں آتی ہیں، اور یہ مشغلہ میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اب جو آدمی طوائفوں کا عادی ہو، وہ ایسی حالت میں کیا نماز پڑھے گا۔ آپ کی بات سو فیصد درست ہے لیکن میں اس پر قادر نہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا میں ایک بات اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں، وہ یہ کہ آپ جو کچھ گھر کے اندر کرتے ہیں، وہ آپ جانیں، آپ کا کام جانے، جہاں تک وضو کا تعلق ہے، تو آپ بے وضو مسجد میں چلے جایا کریں، اور جاکر نماز پڑھ لیا کریں۔ ان نواب صاحب نے کہا کہ بے وضو تو نماز نہیں ہوتی، آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ بے وضو پڑھ لیا کرو۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ میں کہہ رہا ہوں، آپ میرے کہنے سے بے وضو مسجد میں چلے جایا کرو، آپ کو دیکھ کر گاؤں کے لوگ مسجد میں آجایا کریں گے۔ اب نواب صاحب کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا، اس نے کہا کہ اچھا میں کل ظہر کی نماز سے مسجد میں جایا کروں گا، نواب صاحب سے گفتگو کرنے کے بعد مولانا صاحب واپس مسجد میں تشریف لے آئے، اور آکر دو رکعتیں پڑھیں، اور سجدے میں جاکر خوب روئے اور دعا کی۔

یا اللہ! میرے بس میں اتنا ہی تھا

لوگوں نے مولانا صاحب سے کہا کہ حضرت! آپ نے آج عجیب معاملہ

کیا، وہ یہ کہ ایک طرف تو آپ نے ان نواب صاحب کو بغیر وضو کے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی، ساری دنیا تو یہ کہتی ہے کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی، بلکہ بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کوئی شخص سستی یا بے وقعتی کی وجہ سے بغیر وضو کے نماز پڑھے تو اس کے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور آپ نے ایسی بات کی اجازت دیدی؟ اور اب یہاں مسجد میں نفل پڑھ کر رو رہے ہیں؟ مولانا صاحب نے کہا کہ میں نے دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ کی پڑھ کر اللہ کے سامنے رو رو کے یہ مانگا ہے کہ یا اللہ! یہاں تک تو میرے بس میں تھا کہ اس سے نماز پڑھنے کا وعدہ لے لوں، اب وضو کرانا آپ کا کام ہے، آپ اپنے فضل و کرم سے کوئی ایسی بات کرا دیں کہ وہ وضو بھی کریں، اور نماز بھی پڑھیں۔

آج وضو نہیں غسل کر کے مسجد جاؤں گا

جب اگلے دن ظہر کی نماز کا وقت آیا تو نواب صاحب کو خیال آیا کہ میں نے نماز پڑھنے کا وعدہ کیا ہے، لہٰذا مجھے نماز کے لئے مسجد میں جانا چاہیے، اور دل میں یہ خیال آیا کہ آج اتنے عرصے کے بعد تم پہلی بار مسجد میں نماز پڑھنے جا رہے ہو، تو آج صرف وضو نہیں، بلکہ غسل کر کے مسجد میں جاؤ، تا کہ کم از کم پہلی نماز تو صحیح ہو جائے، آگے پھر دیکھا جائے گا، چنانچہ نواب صاحب نے غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے، خوشبو لگائی، اور مسجد میں نماز کے لئے پہنچ گئے، نماز ادا کی، نماز ادا کرنے کے بعد جب واپس گھر پہنچے تو دل کی کائنات ہی پلٹ چکی تھی، اور انقلاب آچکا تھا، اور پھر طوائفوں کا سلسلہ، وہ فسق و فجور کی زندگی سب ختم کر دی۔

وہ مسجد آباد ہوگئی

اب جب مسجد میں نواب صاحب آنے لگے تو بستی کے لوگ بھی مسجد میں آنے لگے، اور مسجد آباد ہوگئی۔ بہر حال! قرآن کریم یہ جو دعوت دے رہا ہے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ "(النحل:۱۲۵) کہ حکمت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف دعوت دو، اور حکمت کا مطلب یہ ہے کہ دعوت دینے کا طریقہ صحیح ہو، ہمدردی کا ہو، دلسوزی کا ہو، خیر خواہی کا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے دل میں ایسی بات ڈال دیتے ہیں، جس سے سامنے والے کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

امت محمدیہ

کو انسانیت کی بھلائی کیلئے پیدا کیا گیا ہے

تفسیر سورۂ عصر (٦)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	۱۸ ر فروری ۲۰۱۱ء
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امت محمدیہ

کوانسانیت کی بھلائی کیلئے پیدا کیا گیا ہے

(سورۃ العصر : ٦)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ وَ الْعَصْرِ ٭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ٭ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٭ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ العصر ہے، جسکا بیان پچھلے کئی جمعوں سے چل رہا ہے، اس سورۃ کا ترجمہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمانے کی قسم، یا وقت کی قسم، تمام انسان خسارے میں ہیں، نقصان میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔ گویا کہ نقصان سے بچنے کے لئے چار چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے، ایک ایمان، ایک عمل صالح، یعنی نیک عمل، تیسرے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا، اور چوتھے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرنا، حق اور صبر کی تفصیل انشاء اللہ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو بعد میں عرض کروں گا۔

فرض عین کا مطلب

جو بات چل رہی تھی وہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انسان کی نجات کے لئے اور نقصان سے بچنے کے لئے صرف اپنے آپ کو نیک بنالینا کافی نہیں، بلکہ دوسروں کو بھی نیک بنانے کی کوشش کرنا انسان کی نجات کے لئے ضروری ہے، میں نے یہ عرض کیا تھا کہ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں جہاں دوسرے کو حق بات پہنچانا اور برائی سے روکنا انسان کے ذمہ فرض عین ہو جاتا ہے، فرض عین اس فرض کو کہتے ہیں جو ہر شخص کے ذمہ فرض ہے، جیسے نماز ہر شخص پر فرض ہے، اور ایک کی نماز دوسرے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، ہر ایک کے ذمہ الگ نماز فرض ہے، اسی کو فرض عین کہتے ہیں، لہٰذا ایسی تبلیغ و دعوت، اور کسی کو اچھائی کی تاکید

کرنا، اور برائی سے روکنا، بعض اوقات فرض عین ہوتا ہے، اس کی کچھ تفصیل میں نے پچھلے بیانات میں عرض کی ہے۔

اس جگہ نصیحت فرض عین ہے

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی جگہ پر اقتدار حاصل ہو، وہاں اس کے ذمہ فرض عین ہے کہ اپنے زیر اقتدار لوگوں کو حق کی نصیحت اور وصیت کرے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو آپ کسی ناجائز اور گناہ کے کام میں مبتلا دیکھ رہے ہیں، اور آپ کو قوی امید ہے کہ اس کو بتانے سے وہ گناہ سے باز آجائے گا، اور آپ کی بات مان لے گا، اس جگہ پر اس کو بتانا فرض عین ہے، یہ تو فرض عین کی صورتیں تھیں جو میں نے پچھلے بیانات میں عرض کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فرض کفایہ کا مطلب

ایک دوسری قسم تبلیغ ودعوت کی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض کفایہ قرار دیا ہے، فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ ساری امت میں سے اگر کچھ لوگ اس فریضہ کو ادا کردیں تو باقی لوگوں کا فرض بھی ادا ہوجاتا ہے، لیکن اگر ایک شخص بھی اس فریضہ کو ادا نہ کرے تو ساری امت گناہ گار ہوگی۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے

اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے نماز جنازہ ہے، نماز جنازہ کے بارے میں

شریعت نے یہ حکم رکھا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ بھی میت پر نماز جنازہ پڑھ لیں گے، تو سارے لوگوں کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، لیکن اگر ایک شخص بھی نماز جنازہ نہ پڑھے تو پوری امت گناہ گار ہوگی، فرض کریں کہ ایک محلے میں کسی مسلمان کا انتقال ہو گیا، اس محلے کے لوگوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے کہ وہ اس مسلمان کی نماز جنازہ ادا کریں، اب اگر تین چار افراد نے اس کی نماز جنازہ ادا کر لی، تو سارے محلے والوں کی طرف سے وہ فرض ادا ہو جائے گا، اور اگر کوئی بھی نماز جنازہ نہ پڑھے تو اس محلے کے سارے لوگ گناہ گار ہوں گے۔

سنت کفایہ کا مطلب

فرض کفایہ کی طرح ایک ''سنت کفایہ'' ہے، جیسے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا، یہ آخری عشرہ کا اعتکاف سنت کفایہ ہے، اسکا حکم بھی یہی ہے کہ اگر محلے کی مسجد میں ایک آدمی بھی اعتکاف میں بیٹھ جائے تو پورے محلے والوں کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائیگی، لیکن اگر کسی مسجد میں ایک آدمی بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے تو سارے محلے والے ترک سنت کے گناہ گار ہونگے، اسکو سنت کفایہ کہتے ہیں۔

عام لوگوں کو تبلیغ و دعوت فرض کفایہ ہے

بہرحال! دعوت و تبلیغ کا ایک حصہ وہ ہے جو فرض کفایہ ہے، یعنی ساری امت کے ذمہ دعوت و تبلیغ واجب تو ہے، لیکن اگر کچھ لوگ بھی دعوت و تبلیغ کا کام کر لیں گے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، وہ دعوت و تبلیغ یہ ہے کہ اجتماعی طور پر لوگوں کو دین کی تعلیم دینا، اور ان کو دین کی طرف بلانا، چاہے وہ وعظ کے ذریعہ ہو، یا تقریر

کے ذریعہ ہو، یا تحریر کے ذریعہ ہو، یا لوگوں کے گھروں پر جا جا کر ان کو دینی بات پہنچانا ہو، گویا کہ عمومی دعوت اور عمومی تبلیغ کا جو بھی طریقہ ہو، چاہے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی جارہی ہو، یا غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جارہی ہو، اس طرح عمومی دعوت و تبلیغ کرنا فرض کفایہ ہے، لہٰذا ہر علاقے میں ہر محلے میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو اس عمومی دعوت کا کام انجام دے رہے ہوں، لوگوں کو دین کی طرف بلا رہے ہوں، تاکہ یہ فرض کفایہ سب کی طرف سے ادا ہو جائے۔

امت محمدیہ "بہترین امت"

یہ بات قرآن کریم نے بڑے عجیب انداز سے بیان فرمائی ہے، امت محمدیہ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران : ۱۱۰)

فرمایا کہ تم بہترین امت ہو "امت" سے مراد وہ قوم ہوتی ہے جس کی طرف کسی نبی کو بھیجا جاتا ہے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک امت تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک امت تھی، مختلف انبیاء کرام کی مختلف امتیں ہوتی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان تمام پچھلی امتوں کے مقابلے میں تم سب سے بہترین امت ہو۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

کہ ہم یعنی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اگرچہ آئے تو سب سے

آخر میں، لیکن یہ امت تمام پچھلی امتوں پر سبقت لے گئی ہے، زمانے کے اعتبار سے یہ امت سب سے آخر میں ہے، لیکن درجہ کے اعتبار سے یہ امت پہلی ساری امتوں پر فوقیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ حضور اکرم، خاتم الانبیاء، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

آپ تمام انبیاء کے سردار تھے

آپ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ آپ تمام پیغمبروں کے بعد سب سے آخر میں اس دنیا میں تشریف لائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو "سید الانبیاء" بنایا، تمام انبیاء کرام کا سردار بنایا، اور تمام انبیاء کرام میں سب سے افضل آپ کو قرار دیا، آپ کا درجہ تمام انبیاء کرام میں سب سے اعلیٰ ہے، اسی طرح آپ کی امت کا حال ہے کہ وہ آئی تو آخر میں ہے، لیکن درجہ کے اعتبار سے، اور اپنے مقام کے لحاظ سے تمام پچھی امتوں پر فوقیت رکھتی ہے، اس لئے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران : ۱۱۰)

آگے بہترین امت ہونے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی کہ تم وہ بہترین امت ہو، جس کو دوسرے لوگوں کے لئے، یعنی تمام انسانیت کے افراد کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے، یعنی تم صرف اپنے لئے پیدا نہیں کئے گئے کہ بس اپنا بھلا دیکھو، اور مطمئن ہو جاؤ، نہیں، بلکہ تمہیں پوری انسانیت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تمہاری زندگی کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ تم صرف اپنا بھلا نہیں دیکھو گے، بلکہ

پوری انسانیت کا بھلا دیکھو گے، اور تمام انسانوں کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کرو گے، یہ درحقیقت امت محمدیہ کا امتیاز ہے، لہٰذا اس امت کے مقاصد زندگی میں یہ بات داخل ہے کہ دوسرے انسانوں کو حق کی اور صبر کی نصیحت اور وصیت کرے، حق اور صبر کا پیغام ان تک پہنچائے۔

یہ امت ساری دنیا کے انسانوں کیلئے پیدا کی گئی ہے

اور یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں دوسرے مسلمانوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے، نہیں، بلکہ فرمایا کہ تمہیں ساری دنیا میں بسنے والے انسانوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز یہ ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے، وہ کسی خاص قوم کے لئے، اور خاص علاقے کے لئے تشریف لائے تھے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تشریف لائے تھے، اس کی تبلیغ، ان کی دعوت، ان کا پیغام جو کچھ تھا، وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا، حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے تھے، وہ صرف اپنی قوم کے لئے تشریف لائے تھے، حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم عاد کے لئے تشریف لائے تھے، حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم ثمود کے لئے تشریف لائے تھے، تو گذشتہ انبیاء کرام مخصوص علاقے، اور مخصوص قوم کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔

آپ پوری انسانیت کیلئے پیغمبر تھے

لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سب سے آخر میں بھیجا گیا تو آپکو ساری انسانیت کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، فرمایا گیا :

يَاايُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵)

اے لوگو! میں اللہ کا پیغمبر بن کر تم سب کے پاس آیا ہوں۔ صرف عرب والوں کے لئے نہیں، جہاں آپ پیدا ہوئے، صرف جزیرہ عرب کے لئے نہیں، بلکہ پوری انسانیت کے لئے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ ایک اور جگہ پر فرمایا کہ :

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (السبا : ۲۸)

کہ ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا بنا کر اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا آپ کی بعثت تمام انسانوں کے لئے ہے، وہ چاہے کہیں کا رہنے والا ہے، چاہے وہ کسی بھی براعظم کا باشندہ ہو۔ تو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری انسانیت کے لئے پیغمبر بنایا، اسی طرح آپ کی امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

انسانوں کے فائدے کیلئے پیدا کی گئی ہے

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

یعنی یہ امت بھی تمام انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے، تاکہ یہ امت اپنے عمل سے، اپنی دعوت سے، اپنی تبلیغ سے، اپنے کردار سے ساری انسانیت کو بھلائی کا پیغام دے، اس لئے یہ امت پیدا کی گئی ہے۔ پھر آگے اس کی تفصیل بیان کی گئی کہ لوگوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ :

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران : ۱۱۰)

وہ فائدہ یہ ہے کہ تم دوسروں کو بھی نیکی اور بھلائی کی تعلیم دیتے ہو، اور برائیوں سے روکتے ہو۔ یہ امت محمدیہ کی خصوصیت بیان کی گئی ہے، اور علماء کرام نے اس آیت کے تحت یہ فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا کر دیا، اب آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا، وحی کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو انبیاء کا وارث اور انبیاء کا قائم مقام قرار دیدیا، اور آپ کی امت کو یہ فریضہ سونپ دیا گیا کہ جو کام پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کرتے آئے تھے، اے امت محمدیہ! اب وہ کام تمہیں کرنا ہے، پہلے انبیاء علیہم السلام لوگوں کو دین کی دعوت دیا کرتے تھے، ان کو بھلائی کی تلقین کیا کرتے تھے، برائی سے روکتے تھے، اب یہ کام بحیثیت مجموعی تمہیں انجام دینا ہے، لہٰذا امت محمدیہ بحیثیت مجموعی یعنی پوری امت انبیاء کے قائم مقام ہے، گویا کہ انبیاء کا فریضہ اس امت محمدیہ کے ذمہ عائد ہو گیا۔

لیکن یہ کام فرض کفایہ بنا دیا

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ امت محمدیہ پر بحیثیت مجموعی یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اور اگر اس کا یہ مطلب ہو کہ ہر ہر فرد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اسلام کی دعوت دے، پھر تو یہ دعوت دینا ہر ہر شخص پر اسی طرح فرض ہو جائے گا جس طرح نماز پڑھنا فرض عین ہے تو پھر لوگ مشکل کا شکار ہو جائیں گے، ہر ایک آدمی کے پاس یہ موقع نہیں ہوتا، اور ہر آدمی کی استطاعت میں یہ نہیں ہوتا

ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کردے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے امت محمد یہ کو بحیثیت مجموعی انبیاء کا قائم مقام قرار دینے کے بعد، اور ان کے ذمہ تبلیغ و دعوت کا فریضہ عائد کرنے کے بعد یہ چھوٹ دیدی کہ :

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران : ۱۰۴)

یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم میں سے ہر ہر فرد یہ کام اسی انداز سے کرے جس طرح انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے، لیکن تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ''مِنْكُمْ'' کا لفظ استعمال کر کے یہ چھوٹ دیدی کہ تم میں سے کچھ لوگ ضرور رہوں۔ اس کام کو فرض عین بنانے کے بجائے فرض کفایہ بنا دیا، اگر کچھ لوگ یہ کام کر رہے ہوں گے تو کم از کم فریضہ ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر ایک آدمی بھی یہ کام کرنے والا نہ ہو تو ساری بستی، سارے شہر کے لوگ، اور ساری امت گناہ گار ہو گی۔

وہ عبادت گزار شخص بھی ہلاک کر دیا گیا

میں نے آپ کو پہلے بھی ایک حدیث سے واقعہ سنایا تھا کہ کسی بستی کے لوگ گناہوں میں مبتلا تھے، اللہ جل شانہ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو عذاب نازل کرنے کے لئے کہا تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اس بستی میں تو ایک آدمی بہت نیک ہے، اور اس نے آپ کی کبھی بھی نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو بھی ہلاک کر دو، اس لئے کہ وہ شخص برائی ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اور اس کے

ماتھے پر بل بھی نہیں آیا، اور اس نے اس کو برا بھی نہیں سمجھا، اور نہ اس کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پوری بستی اس فرض کفایہ کی ادائیگی سے غافل تھی، کوئی بھی فرد اس فریضہ کو ادا نہیں کر رہا تھا، لہٰذا سب لوگ تو گناہ گار تھے ہی، وہ عبادت گزار شخص بھی گناہ گار تھا، اس لئے اس کو عذاب کا نشانہ بنا دیا گیا۔ فرض کفایہ کا یہ مطلب ہے۔

دونوں قسم کی دعوت فرض کفایہ ہے

بہر حال! غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلانے کی دعوت، اور مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے کی اجتماعی دعوت، یہ دونوں فرض کفایہ ہیں، یعنی اس امت کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ ہر بستی میں، ہر علاقے میں، ہر ماحول میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ہوں، جو اس فریضے کو انجام دینے والے ہوں، اگر ایسے لوگ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امت میں خیر پھیلے گی، اس سے بھلائیاں پھیلیں گی، برائیاں مٹیں گی۔ لیکن اس کام کے لئے ایسے افراد ہونے چاہئیں جو اس دعوت کی اہلیت رکھتے ہوں، یعنی ان کو دین کا صحیح علم ہو، اگر صحیح علم تو حاصل نہیں، اور دین کی دعوت دینے کے لئے کھڑا ہو گیا، تو بغیر علم کے جب آدمی دعوت دیتا ہے تو وہ گمراہیاں بھی پھیلاتا ہے، وہ غلط باتیں بھی پھیلاتا ہے، غلط مسئلے لوگوں کو بتاتا ہے، لوگوں کے سامنے دین کی غلط تشریح کرتا ہے، اس کے نتیجے میں فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے، لہٰذا اس دعوت کے کچھ اصول ہیں، کچھ آداب ہیں، جن کو مدنظر رکھ کر یہ فرض کفایہ ادا کیا جا سکتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو آئندہ کسی

جمعہ میں اس بارے میں عرض کروں گا۔

ہر دور میں یہ فرض کفایہ ادا ہوتا رہا

لیکن فی الوقت اتنی بات عرض کرتا ہوں کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہماری امت میں ہر دور میں، ہر زمانہ میں اس فرض کفایہ کو ادا کرنے والے موجود رہے ہیں، کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں ہوا، اور یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے، صحابہ کرام سے لے کر آج تک الحمدللہ یہ فرض کفایہ کسی نہ کسی درجے میں، کسی نہ کسی صورت میں ادا ہوتا رہا ہے، اور مختلف لوگوں نے یہ سعادت حاصل کی ہے، مختلف طریقوں سے حاصل کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین

اس دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے

آج کے دور میں ایک یہ نئی آفت آگئی ہے کہ آج اگر کوئی شخص دعوت کے نام سے تبلیغ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس بات کو ضروری سمجھتا ہے کہ اب تک دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں جو کوششیں ہوئی ہیں، ان کو کالعدم قرار دے، اور ان کی برائی کرے کہ آج تک کبھی کسی نے صحیح طریقے پر کام نہیں کیا، آج میں صحیح طریقے پر اس کام کو لے کر کھڑا ہوں۔ یہ بڑی گمراہی کی بات ہے۔ ارے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، اور اس کے لئے اس امت محمدیہ کو پیدا کیا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ :

اِنَّ اللّٰہَ یغرس فی ھذا الدین غرسًا (درمنثور، ج:۱، ص:۳۲۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اس دین کو قائم رکھنے کے لئے، اس کو پھیلانے کے لئے پودے لگاتے رہتے ہیں، ہر دور میں اگائے ہیں۔ لہٰذا کسی کے کام کی بھی ناقدری نہیں کی جاسکتی، کسی کے کام کو بھی کالعدم نہیں کہا جاسکتا، الحمد للہ، ہر دور میں صحیح طریقے پر کام ہوا ہے۔

آخری دور میں "تبلیغی جماعت" یہ کام کررہی ہے

اور الحمد للہ، اللہ کے فضل وکرم سے آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی یہ فریضہ کسی نہ کسی شکل میں یہ امت انجام دے رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسکی کوششوں کو بھی قبول فرمائے، آمین۔ اور اس آخری دور میں ہمارے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا خاص جذبہ عطا فرمایا تھا، ان کے سینے میں ایک آگ بھردی تھی، اس کے نتیجے میں یہ تبلیغی جماعت وجود میں آئی، اور الحمد للہ آج دنیا کے چپے چپے پر اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام اس جماعت نے پھیلایا ہے، یہ جماعت اس کام میں لگی ہوئی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ عام مسلمانوں کے لئے اس وقت اس فریضہ میں شامل ہونے کا بہترین راستہ یہی ہے۔

اس جماعت کا فائدہ غالب ہے

بعض لوگ اس جماعت پر تنقید بھی کرتے ہیں کہ اس جماعت میں فلاں خرابی ہے، فلاں کمزوری ہے۔ ارے بھائی! اس دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی شخص معصوم نہیں ہے، غلطیاں سب سے ہوتی ہیں، اور کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں، اور جب کام پھیل جاتا ہے تو اس میں افراط اور تفریط بھی ہوتی ہے،

لیکن دیکھنا یہ چاہیے کہ بحیثیت مجموعی اس جماعت سے فائدہ زیادہ پہنچا ہے، یا نقصان زیادہ پہنچا ہے، الحمدللہ، اس جماعت کے فائدے کا عنصر غالب ہے، تجربہ یہ ہے کہ الحمدللہ، اس جماعت میں شامل ہونے سے لوگ خود بھی دین سیکھتے ہیں، اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے، اور دوسروں تک بات پہنچانے کا سلیقہ بھی آتا ہے، لہٰذا میں یہ سمجھتا ہوں کہ عام مسلمانوں کے لئے اس جماعت سے تعلق رکھنا اپنے دین کے تحفظ کے لئے، اور سورۃ العصر کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے نہایت مفید اور نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس جماعت کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

نصیحت کا موقع تلاش کرتے رہو

تفسیر سورۂ عصر (۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۲۵ رفروری ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نصیحت کا موقع تلاش کرتے رہو

(سورۃ العصر : ۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٭ وَ الْعَصْرِ ٭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ٭ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٭ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْم ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمِ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سورۃ العصر کا

بیان کافی عرصے سے چل رہا ہے، اس سورۃ کا ترجمہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا: زمانے کی قسم، تمام انسان خسارے میں ہیں، سوائے اس کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرے، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرے۔

خسارے سے بچنے کیلئے اتنا کافی نہیں

بات یہ چل رہی تھی کہ جس خسارے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے، اس سے بچنے کیلئے صرف اتنا کافی نہیں کہ آدمی خود ٹھیک ہو جائے، اور خود دین کا پابند ہو جائے، بلکہ یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی کوشش کی حد تک حق بات پہنچانے کا راستہ اختیار کرے، اور برائیوں سے روکنے کی فکر کرے۔

دین کی بات پہنچانے میں غفلت برت رہے ہیں

آج کل ہمارے اندر افراط اور تفریط پائی جاتی ہے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو الحمد للہ، اپنی ذاتی زندگی میں دین کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکاۃ، وغیرہ سب پر اللہ کی توفیق سے عمل کرتے ہیں، لیکن اپنی ذات کی حد تک محدود ہیں، اور اپنے زیر اقتدار، اپنے بیوی، بچوں اور گھر والوں کو، اپنے اعزہ و احباب کو، اپنے ملنے جلنے والوں کو، حق کی بات پہنچانے سے بالکل غافل ہیں، ایسے مواقع ملتے ہیں جن میں انسان ایک اچھی بات دوسروں تک پہنچا دے، اور کچھ پتہ نہیں کہ کون سی بات کس وقت دوسرے کے دل پر اثر کر جائے، اور اس کی زندگی میں انقلاب آ جائے۔ ہمیں ایسے مواقع ملتے ہیں، لیکن ہم لوگ چونکہ اس

طرف سے غفلت میں مبتلا ہیں، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنا کام ٹھیک کر رہے ہیں، ہمیں دوسروں سے کیا غرض، لہٰذا مواقع ملنے کے باوجود ہم اچھی بات دوسروں تک پہنچانے سے محروم رہتے ہیں، اور قرآن کریم کی اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔

ایسا شخص مواقع ڈھونڈتا ہے

جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ دین کی لگن اور دھن پیدا فرما دیتے ہیں، وہ قدم قدم پر ایسے مواقع ڈھونڈتا ہے، کہ وہ کوئی اچھی بات دوسرے تک پہنچا دے۔ اور جب کوئی موقع مل جائے تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر، بہتر سے بہتر عنوان سے، بہتر سے بہتر اسلوب کے ذریعہ اس کو نصیحت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اپنے خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھنی چاہیے

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ آیا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کی پاکدامنی کے جرم میں جب قید میں ڈال دیا گیا، اور کئی سال تک وہ جیل میں قید رہے، اسی جیل میں دو نوجوان بھی آئے، وہ نوجوان مسلمان بھی نہیں تھے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے مہرے کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ کوئی نیک آدمی ہے، لہٰذا ان سے ہمیں اپنے خواب کی تعبیر پوچھنی چاہیے، چنانچہ ان دونوں نوجوانوں نے اپنے اپنے خواب بیان کئے، اور ایک نے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ میں نے یہ دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے یہ دیکھا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں، اور پرندے آکر ان روٹیوں کو کھا رہے ہیں، ہمیں ان خوابوں کی تعبیر پتہ نہیں، ہم آپ

سے ان خوابوں کی تعبیر پوچھنا چاہتے ہیں۔

خواب کی تعبیر سے پہلے میری بات سن لو

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا خصوصی علم عطا فرمایا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں نوجوانوں سے کہا کہ خواب کی تعبیر تو انشاء اللہ میں تمہیں بتادوں گا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ علم بھی عطا فرمایا ہے کہ تمہارے پاس جو کھانا آنے والا ہے آنے سے پہلے میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ کیا کھانا آئے گا؟ خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے میری ایک بات سن لو، وہ یہ کہ جن لوگوں نے جو مختلف دیوتا اور خدا بنا رکھے ہیں اور لوگ ان کی پوجا کر رہے ہیں، کیا یہ بت خدا ہو سکتے ہیں؟ یا خدا ایک ہی ہے جو واحد القہار ہے۔

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف : ۳۹)

اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (یوسف : ۳۷)

یہ جو لوگوں نے متفرق خدا بنا رکھے ہیں، کیا یہ بہتر ہیں، یا وہ اللہ بہتر ہے جو واحد القہار ہے۔ میں نے تو ایسے لوگوں کے دین کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، میں نے اپنے آباء و اجداد حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے دین کی پیروی کی ہے۔

بات کہنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا

میں تمہارے خواب کی تعبیر تو بتادوں گا، لیکن پہلے میری بات تو سن لو کہ یہ لوگ جو شرک کے اندر مبتلا ہیں، خدا کیلئے اس سے باز آجائیں، اور توحید کا راستہ

اختیار کریں، اسکے بعد پھر ان کے خواب کی تعبیر بتائی۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام کو بات کہنے کا ایک موقع مل گیا تو اس موقع کو اس طرح استعمال کیا کہ یہ لوگ چونکہ محتاج بن کر میرے پاس آئے ہیں، اور خواب کی تعبیر معلوم کرنا چاہتے ہیں، اور خواب کی تعبیر معلوم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ میرے اوپر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں، اسلئے یہ اچھا موقع ہے کہ میں ان کو ایک دین کی حق بات پہنچادوں، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو نصیحت کردی۔

ایک بات سنتے جاؤ

اللہ تعالیٰ ایسے مواقع عطا فرماتے رہتے ہیں، جس میں اگر کوئی اچھی بات دوسروں تک پہنچادی جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچادیتے ہیں، بعض اوقات ایک ہی جملہ سے انسان کی کایہ پلٹ جاتی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ درویش صفت انسان تھے، ایک مرتبہ ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ میں آزاد منش قسم کا انسان تھا، دنیا داری کے کام میں لگا رہتا تھا، میرے ایک بزرگ تھے وہ ایک مرتبہ کسی کام کے لئے حضرت بابا نجم احسن صاحب کے پاس ملنے کے لئے گئے، اور وہاں پر اپنا قلم چھوڑ آئے، مجھے ان بزرگ نے بھیجا کہ تم بابا نجم احسن کے پاس جاؤ، میں اپنا قلم وہاں چھوڑ آیا ہوں، تم جا کر ان سے میرا قلم لے آؤ، میں قلم لینے کے لئے ان کے پاس گیا، اور سوٹ بوٹ کے اندر تھا، میں نے جا کر کہا کہ فلاں بزرگ یہاں تشریف لائے تھے، وہ اپنا قلم یہاں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت بابا صاحب نے

فرمایا کہ ہاں بھئی، ہم خود اس فکر میں تھے کہ یہ قلم ان تک کیسے پہنچایا جائے، لو یہ قلم لیتے جاؤ، البتہ ایک بات سنتے جاؤ۔

رات کو سونے سے پہلے توبہ کرلیا کرو

وہ یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دین پر عمل کرنا بہت مشکل کام ہے، ارے کچھ بھی مشکل نہیں، سونے سے پہلے رات کو بیٹھ کر اللہ کے سامنے توبہ کرلیا کرو کہ یا اللہ! دن میں مجھ سے جو کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، یا اللہ! میں ان سب سے معافی مانگتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔ بس یہ کرلیا کرو۔ کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ نوجوان کہتے ہیں کہ چلتے چلتے انہوں نے یہ جملہ میرے کان میں ڈال دیا، وہ جملہ میرے کان میں گردش کرتا رہا، اور اس دن سے میری دنیا ہی بدل گئی، اور اس کے بعد میں نے حضرت کے کہنے کے مطابق رات کو روزانہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرتا کہ یا اللہ! میں مسلمان تو ہوں، لیکن جیسے اعمال ہونے چاہئیں، ویسے اعمال مجھ سے نہیں ہو رہے ہے، اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف کر دیجئے، اور مجھے نیک اعمال کی توفیق دیدیجئے۔ اس طرح سے جب میں نے مانگنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری زندگی بدل دی، ساری برائیاں دور ہوگئیں، اور نیکی کی توفیق ہوگئی۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ کون سا جملہ کس وقت کیا اثر کر جائے؟

مجھے بھی کوئی حدیث سناؤ

حضرت عبداللہ بن مسلمہ قعنبی رحمۃ اللہ علیہ، بڑے اونچے درجے کے محدثین میں سے ہیں، صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں، شروع شروع میں بالکل

آزاد منش اور آوارہ انسان تھے، ایک مرتبہ ایک بہت بڑے محدث حضرت شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ، جو حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ درس حدیث دینے کے بعد اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر تشریف لے جا رہے تھے، انہوں نے ان کو دیکھا کہ یہ گھوڑے پر جا رہے ہیں، تو انہوں نے جا کر گھوڑے کو روک کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور کہنے لگے کہ آپ ساری دنیا کو حدیثیں سناتے ہیں، مجھے بھی کوئی حدیث سناؤ۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کوئی حدیث سننے کا طریقہ تو نہیں کہ آدمی گھوڑے کی باگ روک لے، اور کہے کہ مجھے حدیث سناؤ۔ حضرت شعبہؒ جانتے تھے کہ یہ آوارہ قسم کے آدمی ہیں، اس لئے ان سے کہا کہ اچھا میں تمہیں حدیث سناتا ہوں، پھر انہوں نے اپنی پوری سند کے ساتھ یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

اِذَا فَاتَکَ الْحَیَاءُ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ

یعنی جب تم سے حیا جاتی رہے تو جو چاہو کرتے پھرو۔ یعنی یہ حیا ہی ہے جو انسان کو برے کاموں سے روکتی ہے، جب حیا ہی ختم ہوگئی تو پھر برے سے برے کام کو بھی انسان معمولی اور آسان سمجھتا ہے۔

ایک جملہ نے دنیا کی کایا پلٹ دی

حضرت عبد اللہ بن مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کیا سنادی ایسا معلوم ہوا کہ میرے دل پر چوٹ لگ گئی، اور اسی وقت میں نے تمام اعمال اور تمام کرتوتوں سے توبہ کی، اور پھر جا کر حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی، اور باقاعدہ

حدیث کے طالبعلم بنے، اور اتنے بڑے محدث بن گئے کہ آج وہ پوری صحاح ستہ کے مؤلفین کے استاذ ہیں۔ ایک جملہ نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت انسان کی زبان سے نکلا ہوا جملہ دوسرے کے دل پر کیا اثر ڈال دے، اس لئے جب کبھی آدمی کو موقع ملے تو کوئی دین کی بات مناسب عنوان سے، مناسب طریقے سے دوسرے کے کان میں ڈال دینی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کوئی اچھی بات دوسرے کے کان میں ڈال دو

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی فضیلت بیان فرمائی کہ اس کے کتنے فضائل ہیں، اس پر کیا اجر ثواب ہے، ایک صحابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے پیسے نہ ہوں تو وہ کیا کرے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کسی غیر ہنر مند آدمی کے کام میں اس کی مدد کر دو، اس پر بھی تمہیں صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔ ان صحابی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے اس کا بھی موقع نہ ملے تو؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی اچھی بات دوسرے کے کان میں ڈال دو، اس پر بھی تمہارے لئے صدقہ کا ثواب لکھا جائے گا۔ یہ بھی خیر کا کام ہے کہ موقع دیکھ کر کوئی اچھی بات دوسرے کے کان میں ڈال دینا، اس سے انسان کو فوری طور پر صدقہ کا ثواب مل ہی گیا، اور جو بات دل سے نکلتی ہے، دل پر اثر کرتی ہے، کیا پتہ کہ آپ کی وہ بات دوسرے کے دل پر اثر کر جائے، اور دوسرے کی اصلاح ہو جائے، اور دوسرے کی زندگی بدل جائے، تو پھر وہ شخص

زندگی بھر جتنے اچھے کام کرے گا اس کے ثواب میں تمہارا بھی حصہ ہوگا۔

سفر کے دوران ایسے مواقع مل جاتے ہیں

ہر آدمی کو بات کہنے کے مواقع ملتے ہیں، مثلاً ہم لوگ بسوں میں سفر کرتے ہیں، ٹرینوں میں سفر کرتے ہیں، ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہیں، سفر کے دوران بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ملاقات ہوتی ہے، اور سفر کے دوران دنیا بھر کی باتیں ہوتی ہیں، لیکن کوئی ایسی بات جو عملی زندگی سے متعلق ہو، ایسی بات کہنے کی توفیق بہت کم ہوتی ہے، اگر آدمی اس کا اہتمام کرے اور موقع کی تلاش میں رہے کہ میں کس موقع پر یہ بات دوسرے تک پہنچادوں، تو انشاء اللہ اس کے ذریعہ دوسروں کی اصلاح کا بہت بڑا راستہ نکل سکتا ہے، لیکن ہم لوگ اس طرف سے غافل ہیں۔

نصیحت اور وصیت کے انداز میں بات کہو

البتہ بات کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو الفاظ بیان فرمائے ہیں، وہ یہ کہ ''و تواصوا'' یعنی حق بات کی وصیت کرو، ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو، دوسروں کی توہین نہیں کرنی، دوسرے کی دل آزاری نہیں کرنی، بلکہ وصیت کرنی ہے، وصیت کے اصل معنی تو ہیں کہ اگر کوئی آدمی دنیا سے جارہا ہے، تو وہ شخص مرنے سے پہلے اپنے گھر والوں کو اور اپنی اولاد کو وصیت کرتا ہے۔ آپ ذرا تصور کریں کہ ایک باپ جو بستر پر پڑا ہوا ہے، اور اب وہ دنیا سے جانے والا ہے، اور اس کی اولاد اس کے اردگرد بیٹھی ہے، اس وقت وہ اپنی اولاد کو جو نصیحت کرے گا تو کس انداز سے نصیحت کرے گا؟ اس نصیحت میں کتنی محبت ہوگی؟ کتنا پیار ہوگا؟ کتنی ہمدردی ہوگی؟ کتنی دلسوزی ہوگی

کہ میں تو دنیا سے جا رہا ہوں، لیکن میں اپنی اولاد کو صحیح راستے پر لگا جاؤں۔

وہ اسلوب اور لہجہ اختیار کرو

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جس طرح تم بستر مرگ پر لیٹے ہوئے اپنی اولاد کو وصیت کرتے وقت جو اسلوب، جو لہجہ، جو جذبہ اختیار کرتے ہو، کسی دوسرے کو بھی حق بات کی نصیحت کرتے وقت وہی انداز اختیار کرنا چاہیے، اگر تم نے ایسا انداز اختیار کرلیا جس سے دوسرے کی دل شکنی ہوگئی، یا دوسرے کی دل آزاری ہوگئی، تو یہ وصیت نہ ہوئی، یہ ''تواصوا'' کے اندر داخل نہیں، جب دل میں دوسرے کی ہمدردی ہوتی ہے، دلسوزی ہوتی ہے، خیرخواہی ہوتی ہے، تو پھر عنوان، اسلوب، اور انداز بھی ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے دوسرا متاثر ہو جائے۔

ہمارے اندر افراط وتفریط

لیکن ہمارے معاشرے میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف تو بعض اوقات اس طرف دھیان بھی نہیں جاتا کہ دوسرے تک دین کی بات پہنچانا بھی کوئی کام ہے، کوئی ذمہ داری ہے۔ جبکہ دوسری طرف بعض اوقات اس طرف دھیان جاتا ہے، لیکن بات پہنچانے کا طریقہ صحیح نہیں، مثلاً بے وقت بات کہہ دی، ایسے وقت میں جب دوسرا شخص آپ کی بات سننے کے لئے آمادہ ہی نہیں تھا، اب وہ بات بیکار گئی۔ یا آپ نے بات کہنے کا ایسا انداز اختیار کیا جس سے اس کا دل ٹوٹ گیا، مثلاً اعتراض کا انداز اختیار کیا، یا اس کو نشانہ بنایا، اس کی توہین کردی، مجمع عام کے اندر اس کو ڈانٹ دیا، یہ وہ وصیت نہیں جس کا قرآن کریم حکم دے رہا ہے،

وصیت تو وہ ہے جو ہمدردی سے ہو، خیر خواہی سے ہو، دلسوزی سے ہو، اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ کاش میری یہ بات اس کے دل پر اثر کر جائے۔

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے

شاید میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ '' کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے، آئینہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے چہرے پر داغ لگ گیا ہے تو اب میں خود تو اس داغ کو نہیں دیکھ سکتا، جب میں آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو وہ آئینہ میرا داغ بتا دیتا ہے کہ تمہارے چہرے پر یہ داغ لگ گیا ہے، میں پھر اس داغ کو صاف کر لیتا ہوں۔ اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہوتا ہے کہ اگر کسی مؤمن میں کسی بری بات کا داغ لگا ہوا دیکھا تو دوسرا مؤمن اس کو اس طرح بتائے جیسے آئینہ بتا دیتا ہے، تاکہ وہ اپنے اس عیب کو ختم کر دے۔

آئینہ کیا عمل کرتا ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مثال میں بڑے عجیب رموز پنہاں ہیں، ایک یہ کہ جب آئینہ بتاتا ہے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، تو چپکے سے بتا دیتا ہے، جس سے اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ میرے اندر یہ عیب ہے۔ اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن کو اس کا عیب بتائے تو چپکے سے بتائے، تاکہ اس کی وجہ سے اس کی دل آزاری نہ ہو، دوسرے یہ کہ آئینہ اسی شخص کو اس کا عیب بتائے گا، جو شخص اس آئینے کے سامنے کھڑا ہے کہ

تمہارے اندر یہ عیب ہے، وہ آئینہ دوسروں کے سامنے کہتا نہیں پھرتا کہ دیکھو فلاں کے اندر یہ عیب ہے، مؤمن کا معاملہ یہی ہے کہ اگر وہ کسی کے اندر کوئی غلط بات دیکھے تو اسی کو بتائے، دوسروں سے کہتا نہ پھرے کہ دیکھو! فلاں کے اندر یہ عیب ہے، فلاں کے اندر یہ عیب ہے۔ یہ ہے ''تواصی بالحق'' اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلاصہ

لہٰذا جہاں کہیں کوئی حق بات پہنچانے کا موقع مل جائے تو اس سے کسی موقع پر دریغ نہ کریں، لیکن عنوان ہمدردی کا ہو، دل سوزی کا ہو، خیر خواہی کا ہو، اس میں کوئی پہلو توہین کا نہ ہو، دل آزاری کا نہ ہو، یہ انداز اختیار کیا جائے تو پھر انشاء اللہ تم اس خسارے سے بچ جاؤ گے، جس کا اس سورۃ میں تذکرہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر

تفسیر سورۂ تکاثر (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : یکم اپریل ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر

(سورۃ التکاثر : ۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۔ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۔ آمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

نمازوں میں پڑھی جانے والی سورتیں

بزرگان محترم و برادران عزیز! کئی جمعوں سے یہ سلسلہ میں نے شروع کیا ہوا ہے کہ قرآن کریم کی جو سورتیں عام طور سے نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں، ان کی کچھ تفسیر و تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جائے، تاکہ جب یہ سورتیں نماز میں پڑھی یا سنی جائیں تو ان سورتوں میں جو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں، اگر ان کا استحضار ہو، اور ان باتوں کو ذہن میں رکھا جائے تو یہ نماز کی حقیقت اور نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یوں بھی قرآن کریم اللہ جل شانہ کی وہ عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے، اس نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کو نہ صرف زبان سے پڑھیں، بلکہ اس کے معنی کو بھی سمجھیں، اور اس میں جو پیغام عطا فرمایا ہے، اس کو سینے سے لگائیں، اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اسی لئے پارۂ عم کی جو چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں، میں نے ان کا بیان شروع کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہم سب کے لئے مفید اور نافع بنائے۔ آمین

سورۃ التکاثر

سورۃ العصر کا بیان کئی جمعوں سے چل رہا تھا، الحمد للہ اللہ کی توفیق سے وہ ضرورت کے مطابق پورا ہوگیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ آج جو سورۃ میں نے تلاوت کی ہے، یہ سورۃ التکاثر ہے، یہ سورۃ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ایک

بہت ہی بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا ہے، پہلے میں اس سورۃ کا ترجمہ کرتا ہوں، اس کے بعد اس کی کچھ تشریح انشاء اللہ عرض کروں گا۔

سورۃ کا ترجمہ

اس سورۃ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عیش حاصل کرنے کی فکر نے، دولت حاصل کرنے کی فکر نے، اور راحت حاصل کرنے کی فکر نے تمہیں غفلت میں ڈال دیا ہے "حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ" یہاں تک کہ اس بڑھ چڑھ کر عیش حاصل کرنے کی فکر میں منہمک رہتے ہوئے تم ایک دن قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو "كَلَّا" ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے "سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" عنقریب تمہیں حقیقت کا پتہ لگ جائے گا۔ جب قبر میں تم پہنچو گے اور حشر میں پہنچو گے، آخرت کے مناظر سامنے آئینگے تو حقیقت کا پتہ لگ جائے گا "كَلَّا" دوسری بار اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے "سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" عنقریب تمہیں پتہ لگ جائے گا "كَلَّا" پھر تیسری بار فرمارہے ہیں کہ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے "لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ" کاش تم جانتے۔ اس کا ایک دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تمہیں حقیقت کا علم ہوتا، اور اس کا احساس ہوتا تو کبھی اس طرح نہ کرتے "لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ" یقینی طور پر تم ایک دن جہنم کو دیکھ لوگے "ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ" پھر ضرور اس جہنم کو دیکھ کر تمہیں مشاہدے والا یقین حاصل ہو جائے گا، یعنی اب تک جو جہنم کے موجود ہونے کا یقین حاصل ہے، وہ قرآن کریم اور حدیث کی وجہ سے یقین حاصل ہوا ہے کہ

قرآن وحدیث کے اندر اسکے بارے میں خبر دی گئی ہے، لیکن اس دن جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین حاصل ہو جائے گا ''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ '' پھر تم سے اس دن ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں دنیا میں عطا فرمائیں۔ ان نعمتوں کے بارے میں یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے ان نعمتوں کو کس طرح خرچ کیا، اور ان کا کیا حق ادا کیا، یہ ہے اس سورۃ کا ترجمہ۔

دنیا میں انسان جانے کے لئے آتا ہے

مشکل یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں کا دوسری زبان میں ترجمہ اس تاثیر اور زور کے ساتھ کیا نہیں جا سکتا جس تاثیر اور زور کے ساتھ وہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، ہم مجبوری کے تحت اردو میں ترجمہ کر دیتے ہیں، لیکن وہ زور اور تاثیر جو عربی زبان کے الفاظ میں ہے، وہ نہیں لا سکتے۔ لیکن آپ کو ترجمہ سن کر بھی تھوڑا بہت اندازہ ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کس محبت اور مہربانی کے ساتھ ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم اپنے طرز عمل پر ذرا نظر ثانی کرو، یہ فرمایا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ دنیا کا نظام صدیوں سے اس طرح چلا آ رہا ہے کہ انسان پیدا ہوتا ہے، بچہ ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، ادھیڑ عمر تک پہنچتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے، اور آخر میں مر جاتا ہے، اور دنیا سے چلا جاتا ہے۔ کچھ لوگ بڑھاپے تک پہنچتے ہیں، اور کچھ لوگ بڑھاپے سے پہلے ہی رخصت ہو جاتے ہیں، لیکن ایسی کوئی ایک مثال بھی نہیں ہے کہ انسان دنیا میں ہمیشہ کے لئے آیا ہو، یا جو دنیا میں آیا ہو، لیکن واپس نہ گیا ہو۔

جو دنیا میں آیا ہے وہ ضرور جائے گا

یہ وہ بات ہے جس پر دنیا کے سارے انسان متفق ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جو شخص دنیا میں آتا ہے، وہ جانے کے لئے آتا ہے، ایک نہ ایک دن اس کو دنیا چھوڑ کر جانا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمن : ۲٦)

یعنی جو اس زمین پر پیدا ہوا ہے وہ ایک نہ ایک دن فنا ہو کر رہے گا، ایک نہ ایک دن اس کو موت سے ہمکنار ہونا ہوگا، ایک نہ ایک دن اس کو دنیا چھوڑ کر جانا ہوگا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، یہاں تک کہ مسلمان اور غیر مسلم، مشرک، کافر، ملحد، بے دین اور جنہوں نے خدا کے وجود کا بھی انکار کر دیا، وہ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ انسان یہاں پر ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا، ایک وقت اس کو اس دنیا سے چلا جانا ہے، لوگوں نے خدا کے وجود میں اختلاف کیا، توحید کے بارے میں اختلاف کیا، لیکن موت سے کوئی انکار نہیں کر سکا۔

موت کا وقت معلوم نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ بات کوئی شخص یقینی طور پر نہیں جانتا کہ کس کی موت کب آئے گی، سائنس نے کہاں سے کہاں ترقی کر لی، ستاروں پر کمندیں ڈال دیں، انسان کے وجود کے ایک ایک حصہ کا تجزیہ کر لیا، لیکن بڑے سے بڑا سائنسدان، کوئی بڑے سے بڑا انجومی، کوئی بڑے سے بڑا

فلسفی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آدمی جو میرے سامنے بیٹھا ہے یہ کتنے دن زندہ رہے گا، ہوسکتا ہے کہ اگلے لمحے ہی دنیا سے چلا جائے، ہوسکتا ہے کہ ایک گھنٹہ بعد چلا جائے، ہوسکتا ہے کہ ایک ماہ بعد چلا جائے، ہوسکتا ہے کہ ایک سال بعد چلا جائے، ہوسکتا ہے کہ سو سال عمر پائے، کسی کو پتہ نہیں کہ کس کی موت کب آئے گی؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔

دنیا کی زندگی ایک سفر ہے

جب آپ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس دنیا میں جو آتا ہے وہ جانے کے لئے آتا ہے، اس سے پتہ چلا کہ یہ دنیا کی زندگی ایک سفر ہے، یہ دنیا منزل نہیں ہے، اگر یہ دنیا منزل ہوتی تو کچھ لوگ تو کم از کم ایسے ہوتے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہتے، لیکن کوئی شخص یہاں ہمیشہ نہیں رہتا، لہٰذا یہ منزل نہیں ہے، یہ ہمیشہ رہنے کا ٹھکانہ نہیں ہے، یہ عارضی قیام کی جگہ ہے، اور وہ عارضی قیام بھی پتہ نہیں کہ کتنا ہے؟ لہٰذا یہ دنیا کی زندگی ایک سفر ہے۔

سفر کا مقصد ضرور ہوتا ہے

جب دنیا کی زندگی سفر ہے تو دنیا میں کوئی سفر بے مقصد نہیں ہوتا، کوئی بھی سفر انسان اختیار کرتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، کوئی شخص تجارت کے لئے سفر کر رہا ہے، کوئی سیر و سیاحت کے لئے سفر کر رہا ہے، کوئی عزیز و اقارب سے ملاقات کے لئے سفر کر رہا ہے، کوئی علم حاصل کرنے کے لئے سفر کر رہا ہے، ایسا کوئی

بھی شخص نہیں ہے جو ہوش و حواس کے عالم میں سفر شروع کر دے، اور اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کس کام کے لئے جا رہا ہوں، اس لئے کہ سفر کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔

انسان دنیا میں مختلف مراحل سے گزر کر آتا ہے

لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ زندگی کا جو یہ سفر ہے، اس کے مقصد کو ہم بھلائے بیٹھے ہیں کہ کس مقصد کے لئے ہم اس دنیا میں آئے تھے؟ اور جس نے ہمیں اس سفر پر بھیجا، اس نے کھول کھول کر ہمیں بتا دیا کہ تمہارے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا، اور ایک عجیب طریقے سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجود عطا فرمایا، کس طرح بچہ ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے، کس طرح ایک گندے پانی کی بوند سے اس کا وجود تیار ہوتا ہے، کتنے مراحل سے وہ گزرتا ہے، پہلے وہ خون بنتا ہے، پھر لوتھڑا بنتا ہے، پھر اس پر گوشت چڑھتا ہے، ہڈیاں بنتی ہیں، اور پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے، اور اس کے بعد ایک تنگ راستے سے کس طرح اس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھیجتے ہیں۔ چونکہ یہ واقعات بکثرت ہمارے سامنے پیش آتے رہتے ہیں، اس لئے اس کی اہمیت اور حیرت انگیزی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہوگئی ہے، ورنہ اگر آپ غور کریں تو انسان کی پیدائش کے ایک ایک مرحلے میں حیرتوں کا ایک جہان ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔

انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد

اب جس ذات نے انسان کو پیدا کیا، اس سے پوچھو کہ کیوں پیدا کیا؟ اور

اس کی زندگی کے اس سفر کا مقصد کیا ہے؟ قرآنِ کریم صاف صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (الذاریات : ۵۶)

کہ میں نے جنات اور انسانوں کو صرف ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے، وہ یہ کہ میری بندگی کریں، اور عبادت کریں، اور بندگی کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح میں کہوں اس طرح زندگی گزاردیں، اپنی عقل سے نہیں، اپنی سوچ سے نہیں، اپنی خواہشات کے مطابق نہیں، بلکہ میرے کہنے کے مطابق زندگی گزاریں، جس کام کو میں کہوں کہ کرو تو وہ کریں، اور جس کام سے میں کہوں کہ رُک جاؤ، اس سے رُک جائیں، اس طرح زندگی گزاریں، یہ ہے عبادت اور بندگی کے معنی۔

ماتحتی کا پہلا درجہ ''نوکر''

دیکھئے! ایک شخص جب دوسرے کا ماتحت ہوتا ہے تو اس ماتحتی کے درجات ہوتے ہیں، مثلاً ایک شخص دوسرے کا ''نوکر'' ہوتا ہے، اور نوکر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ذمے کوئی خاص کام سپرد کیا گیا ہے، وہ اس کام کی حد تک نوکر ہے، اس حد سے باہر آپ اس نوکر سے مطالبہ نہیں کرسکتے، مثلاً آپ نے اپنے لئے ایک ڈرائیور رکھا، اس ڈرائیور کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ آپ کی گاڑی چلائے، لیکن آپ اس ڈرائیور سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم میرا غسل خانہ دھو، کیونکہ آپ کا معاہدہ اس سے ایک خاص کام کرنے پر ہوا ہے، اور وہ کام ڈرائیور انجام دے رہا ہے، آپ اس سے دوسرے کام کرنے کا مطالبہ نہیں کرسکتے، یا مثلاً آپ نے کسی کو گھر کا سودا

سلف لانے کے لئے نوکر رکھا ہے، اور اس کی آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے، آٹھ گھنٹے کے بعد وہ آزاد ہے، جو چاہے کرے، آٹھ گھنٹے کے بعد آپ اس کو پابند نہیں کر سکتے، یہ ماتحتی کا پہلا درجہ ہے۔

ماتحتی کا دوسرا درجہ ''غلامی''

اس کے بعد ماتحتی کا دوسرا درجہ ہے جس کو ''غلامی'' کہتے ہیں، الحمد للہ اب تو ہمارے معاشرے میں غلامی کا رواج نہیں ہے، لیکن کسی زمانے میں غلامی کا رواج تھا، تو جو شخص غلام ہوتا تھا، اس کے لئے نہ تو کوئی وقت متعین ہوتا تھا، نہ کام متعین ہوتا تھا، بلکہ وہ غلام آقا کی مرضی کے مطابق کام کرتا تھا، اگر آقا نے اس غلام سے کہہ دیا کہ آج سے ہم تمہیں صوبے کا گورنر بناتے ہیں، تم گورنری کرو، تو وہ گورنری کرے گا، اگر آقا نے کہہ دیا کہ آج تم میرا بیت الخلاء صاف کرو، تو وہ غلام بیت الخلاء صاف کرنے کا پابند ہے۔ اسلام نے غلاموں کے حقوق ضرور بتائے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، لیکن اس کے باوجود مکمل طور پر آقا کی ملکیت ہوتا ہے، وہ اس سے جو چاہے کام لے، اس کو ''غلام'' کہتے ہیں۔

غلام اللہ کی نافرمانی سے انکار کرسکتا ہے

لیکن ایک کام ایسا ہے جو غلام نہیں کرسکتا، وہ یہ کہ اگر آقا اس غلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مجبور کرے تو غلام یہ کہہ سکتا ہے کہ میں یہ کام نہیں کرتا، اس میں میرے اللہ کی نافرمانی ہے :

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

(بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع و الطاعة للامام مالم تکن معصية)

خالق کی معصیت اور نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں، لہٰذا وہ غلام اس کام سے انکار کرسکتا ہے، چنانچہ اگر آقا اس غلام سے کہے کہ مجھے سجدہ کرو تو وہ غلام سجدہ نہیں کرے گا، یہ ماتحتی کا دوسرا درجہ ہے۔

ماتحتی کا تیسرا درجہ ''بندگی''

ماتحتی کا تیسرا درجہ ہے ''بندگی'' بندگی کے معنی ہیں کہ جو مولیٰ کہے، بندہ وہ کام کرلے، اپنی چوں و چرا نہ چلائے، اپنی سوچ، اپنی عقل اور اپنی سمجھ کو بالائے طاق رکھ کر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل بھی کرے، اور اس کی عبادت بھی کرے، وہ اگر کہے کہ مجھے سجدہ کرو تو سجدہ کرے، وہ اگر کہے کہ سجدہ نہ کرو تو سجدہ نہ کرے، گویا کہ مکمل اطاعت کا نام ہے بندگی۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے مختلف عبادتوں میں سکھائی ہے، دیکھئے! نماز باجماعت کا اللہ تعالیٰ نے کتنا ثواب رکھا ہے، اور نفلی نماز کا بھی کتنا عظیم ثواب ہے، لیکن یہ حکم دیدیا کہ جب سورج نکل رہا ہو، اس وقت نماز مت پڑھو، اب وہی نماز جو باعث ثواب تھی، اور جو نماز باعث اجر تھی، جس کے ذریعہ گناہ معاف ہو رہے تھے، اور جس کے ذریعہ درجے بلند ہو رہے تھے، وہی نماز اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کے وقت پڑھے تو بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہوگا۔ روزہ رکھنا کتنا عظیم ثواب کا کام ہے، اللہ تعالیٰ روزے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لئے ہے، اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، لیکن عید کے دن روزہ رکھنے

سے منع کر دیا کہ آج تمہیں روزہ نہیں رکھنا، وہی روزہ جو اجر و ثواب کا سبب تھا، اللہ تعالیٰ نے جب اس سے منع کر دیا تو وہ اب گناہ بن گیا، یہ ہے بندگی۔ کہ کسی عمل میں اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا، جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے، اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ہے۔

خوشگوار زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمہیں زندگی کے سفر میں اس لئے بھیجا ہے کہ تم ہمارے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے زندگی گزارو، ہماری بندگی کرتے ہوئے زندگی گزارو، جس کام کو ہم کہیں کہ کرو، وہ کام کرو، اور جس کام سے ہم روکیں، اس کام سے رُک جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ احکام کہ فلاں کام کرو، اور فلاں کام نہ کرو، یہ احکام اس لئے بھی عطا فرمائے ہیں کہ یہ ہماری دنیاوی زندگی بھی خوشگوار گزرے، اس میں خوشگواری ہو، اس میں پاکیزگی ہو، وہ صاف ستھری زندگی ہو، اس زندگی میں گندیاں اور آلائشیں نہ ہوں، اس لئے یہ احکام دیے گئے ہیں، اور دنیا میں آنے کا مقصد یہ ہے۔

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر

بہر حال! اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے اندر فرما رہے ہیں کہ ہم نے تو تمہیں بندگی کے لئے بھیجا تھا، لیکن تم یہاں آکر کسی اور فکر میں پڑ گئے، اور وہ فکر یہ لگ گئی کہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر میں دولت کماؤں، ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر میں

عیش حاصل کروں، اور دن رات، صبح سے لے کر شام تک تم اسی دھن میں منہمک ہو، تمہاری ساری دوڑ دھوپ، تمہاری ساری بھاگ دوڑ، تمہاری ساری کوشش، اور تمہاری ساری توانائیاں اس پر خرچ ہو رہی ہیں کہ کس طرح میں دوسرے سے آگے بڑھ جاؤں، اس سے زیادہ دولت کمالوں، اس سے زیادہ پیسے کمالوں، اس سے زیادہ بینک بیلنس ہو جائے، اس کی گاڑی سے زیادہ اچھی گاڑی مجھے مل جائے، اس سے زیادہ اچھا مکان ہو جائے، بس اس فکر میں پڑے ہوئے ہو، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کا جو مقصد تھا، اور جس کے لئے تمہیں بھیجا گیا تھا، اس فکر نے تمہیں اس مقصد سے غافل کر دیا ہے۔

کتنا وقت کس کام میں لگ رہا ہے

اس کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دن و رات میں چوبیس گھنٹے عطا فرمائے ہیں، ان چوبیس گھنٹوں کا ہر انسان تجزیہ کر کے دیکھے کہ ان چوبیس گھنٹوں میں سے کتنا وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے اور عیش و عشرت حاصل کرنے پر صرف کر رہا ہوں، اور کتنا وقت ایسا ہوتا ہے کہ جس میں میں یہ سوچتا ہوں کہ مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ اور جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اس وقت میرا انجام کیا ہوگا؟ اسی تجزیہ کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ ہم کتنا وقت کس فکر اور سوچ میں صرف کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی زندگی کی گاڑی ایک ڈھب پر چل رہی ہے، اور کبھی رُک کر یہ سوچنے کا خیال بھی نہیں آتا کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جب پیشی ہوگی تو

میں کیا جواب دوں گا کہ میں نے اپنے مقصد زندگی کو کس حد تک حاصل کیا ہے؟

لوگوں کے مختلف احوال

کچھ لوگ وہ ہیں جن کو آخرت کا دھیان آتا ہے، لیکن وقفہ وقفہ سے آتا ہے، کسی وقت کچھ خیال آیا اور توجہ ہوگئی، اور نیکی کا ارادہ بھی ہوا، لیکن جب گھر سے باہر نکلے، اور دنیا کے مناظر سامنے آئے، اور دنیا کی دوڑ دھوپ میں حصہ لینا شروع کیا تو وہ آخرت کا جو خیال آیا تھا، وہ دب کر ختم ہوگیا۔ کچھ اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو آخرت کی فکر بکثرت رہتی ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان میں شامل فرمادے، آمین) اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کو دن رات آخرت کی فکر سوار ہے کہ میرا کوئی قدم اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ اُٹھے، اللہ مجھے ہر آن دیکھ رہا ہے، اور میرے ہر عمل کو لکھا جارہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھے ہر سوال کا جواب دینا ہوگا، اس بات کا احساس ان کو ہر وقت دامن گیر رہتا ہے، ان کی ہر نقل وحرکت، اور ان کی ہر ادا کے اندر یہ فکر رہتی ہے کہ میں یہ کام اللہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں کر رہا ہوں۔

ہماری مثال ایسے تاجر جیسی ہے

اس لئے اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں فرمارہے ہیں کہ تمہیں غافل کردیا ہے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دولت حاصل کرنے کی فکر نے، یہاں تک کہ اسی دوڑ دھوپ میں تم قبرستان پہنچ جاتے ہو، اور قبرستان پہنچنے کے بعد عمل کا دروازہ بند ہوچکا، پھر عمل میں اضافہ کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ خدا کے لئے اس غفلت سے

باز آؤ، اور یہ سوچو کہ تم اس دنیا میں کیوں بھیجے گئے ہو۔ کَلَّا۔ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تجارت کے لئے دوسرے ملک کا سفر کرے، اور سرمایہ ساتھ لے کر جائے، تاکہ دوسرے ملک سے سامان خرید کر پھر اپنے ملک میں لاکر فروخت کرے، جب دوسرے ملک میں پہنچا تو وہاں پر رنگینیاں نظر آئیں، کھیل کود اور تماشے نظر آئے، تو جو سرمایہ ساتھ لے کر گیا تھا، وہ سرمایہ کھیل کود اور تماشے میں ضائع کردیا، اور ایک پیسے کا بھی تجارت کا سامان نہیں خریدا، اب جب وہ اپنے ملک میں واپس لوٹے گا تو خالی ہاتھ لوٹے گا، کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ہوگی، خسارہ ہی خسارہ لے کر لوٹے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں فرمارہے ہیں کہ تمہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر نے آخرت سے بھی غافل کردیا ہے، یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو، اور جب قبرستان میں پہنچو گے تو پتہ لگے گا کہ میں نے ساری عمر ضائع کردی، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مہلت دی تھی اس کو تم نے صحیح استعمال نہیں کیا۔

اپنے آپ کو غفلت سے نکالو

بہرحال! اس سورۃ کا پہلا پیغام یہ ہے کہ اپنے آپ کو غفلت سے نکالو، یہ غفلت بری بلا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں کھانے کمانے سے منع نہیں کیا، جائز اور حلال طریقے سے کماؤ تو تمہارے لئے جائز ہے، بلکہ حلال کمانا تمہارے فرائض میں شامل ہے، لیکن صرف اتنی بات ہے کہ کمائی کرتے وقت اپنے مقصد کو نہ بھولو، یہ مت بھولو کہ تمہاری زندگی کا مقصد کھانا پینا نہیں، بلکہ کچھ اور مقصد ہے، کھانا

پینا تو اس لئے حلال کر دیا، تا کہ تمہاری زندگی برقرار رہے، اور تا کہ تم کسی فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہو کہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ لیکن یہ تمہاری زندگی کا مقصد نہیں ہے، مقصد کچھ اور ہے، اور اس کی فکر اپنے دل کے اندر پیدا کرو کہ ایک دن مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے، اور وہاں ایک نئی زندگی ہوگی، اس کا احساس اپنے دل میں تازہ کرتے رہو۔

موت کو کثرت سے یاد کرو

اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی ذکر الموت)

کثرت سے یاد کرو اس چیز کو جو ساری لذتوں کو ختم کر دے گی، یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو، بھولو نہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو کفن پہناتے ہیں، غسل دیتے ہیں، اور اپنے کندھوں پر اٹھا کر قبرستان پہنچاتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں سے قبر میں دفن کرتے ہیں، مٹی ڈالتے ہیں، مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کا یہ واقعہ اس کے ساتھ پیش آگیا، اس وقت یہ تصور نہیں آتا کہ کل کو میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آنا ہے، اپنے لئے اس تصور کو تازہ کرو، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ روزانہ یہ مراقبہ کرے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے، اور مرنے کے بعد لوگ مجھے قبر میں رکھ کر چلے جائیں گے، وہاں پر میرا کیا حال ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اور مجھے وہاں اعمال کا جواب دینا ہوگا،

روزانہ سونے سے پہلے چند منٹ کے لئے اس کا تصور کرلیا کرو۔ جب یہ تصور روزانہ کیا جائے گا تو انشاء اللہ یہ غفلت دور کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس غفلت سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

قبر میں جانے والا آپکو پکار رہا ہے

تفسیر سورۂ تکاثر (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۲۹ر اپریل ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبر میں جانے والا آپکو پکار رہا ہے

(سورۃ التکاثر : ۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۞ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۞ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۞ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۞ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۞ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۞ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۞ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۞ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! پچھلے دو تین جمعوں میں حاضری نہیں ہو سکی، کچھ سفر کی وجہ سے، اور کچھ بیماری کی وجہ سے۔ اس سے پہلے سورۃ الحکاثر کا بیان شروع کیا تھا، یہ ان سورتوں میں سے ہے جو عام طور پر مسلمانوں کو یاد بھی ہوتی ہے، اور نمازوں میں بھی بکثرت پڑھی جاتی ہے، اس سورۃ کا ترجمہ یہ ہے کہ اے انسانو! تمہیں ایک دوسرے سے بڑھ کر نفع حاصل کرنے کی فکر نے غافل بنایا ہوا ہے، یہاں تک کہ اسی حالت میں تم قبرستان تک پہنچ جاتے ہو، یعنی دنیا میں تو اس لئے آئے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرو، اس کی بندگی کرو، اس کی عبادت کرو، گناہوں سے بچو، نیکی کے کام کرو۔

اصل مقصدِ زندگی سے غافل ہو گئے ہو

لیکن مال و دولت کے حصول کی دوڑ میں لگ کر تم اپنے اس مقصد سے غافل ہو گئے، اور دن رات ایک ہی سوچ اور ایک ہی فکر دل و دماغ پر مسلط رہتی ہے کہ کس طرح میں زیادہ سے زیادہ پیسے کما لوں، اور کس طرح میں زیادہ سے زیادہ مزہ اُڑا لوں، کس طرح میں زیادہ سے زیادہ عیش حاصل کر لوں، اس فکر میں لگے ہوئے ہو، اور دنیا میں آنے کا جو اصل مقصد تھا، اس کو بھول جاتے ہو، یہاں تک کہ قبرستان میں پہنچ جاتے ہو، اور قبرستان میں پہنچنے کے بعد یہ حسرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی لمبی چوڑی عمر دی تھی، اگر ہم چاہتے تو اس میں ہم آخرت کے لئے ایک بہت بڑا ذخیرہ تیار کر لیتے، نیکیوں کا ڈھیر لگا لیتے، لیکن ہم نے اپنی زندگی کے

اوقات غفلت میں ضائع کردیے، اس وقت یہ حسرت ہوگی، لیکن اس وقت اس حسرت کا فائدہ کوئی نہیں ہوگا، کیونکہ عمل کا وقت گزر چکا ہوگا، اور جو عمل ہے وہ تو اس زندگی میں ہے، جب موت آگئی، اور برزخ کا عالم سامنے آگیا، اور آخرت کا عالم سامنے آگیا تو پھر عمل کا راستہ بند، اس لئے حسرت ہوگی۔

اصلاح کے خیال کو ٹلاتے رہتے ہو

فرمایا کہ اس وقت تو تم غفلت میں زندگی گزار رہے ہو، بعض اوقات اگر مرنے کا اور مرنے کے بعد کی زندگی کا خیال آتا بھی ہے یا اپنے آپ کو بہتر بنانے کا اور اصلاح کا خیال آتا بھی ہے تو اس خیال کو ٹلاتے رہتے ہو کہ اچھا کل سے شروع کردیں گے، پرسوں سے شروع کردیں گے، ابھی تو عمر پڑی ہے، ابھی تو جوانی ہے، جوانی کے تھوڑے مزے اڑالوں، جب بڑھاپا آئے گا، اور مرنے کا وقت قریب آئے گا، اس وقت دیکھ لیں گے، اس وقت حالات کی اصلاح کرنے کی کوشش کرلیں گے، شیطان اس طرح کا دھوکہ دیتا رہتا ہے۔ حالانکہ کیا کوئی شخص یہ گارنٹی لے کر آیا ہے کہ وہ بڑھاپے تک زندہ رہے گا؟ کسی کے پاس کوئی گارنٹی نہیں، لیکن نفس و شیطان انسان کو بہکاتے رہتے ہیں، اور غفلت میں ڈالے رکھتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد حسرت ہوگی۔

قبر میں جا کر حسرت ہوگی

آگے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ''کَلَّا'' ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تمہیں سب کچھ پتہ چل جائے گا، لیکن پتہ اس

وقت چلے گا جب قبر میں پہنچ جاؤ گے، اور وہاں پر پھر حسرت ہوگی، اور اس وقت ایک ایک نیکی کو انسان ترسے گا کہ کاش میں نے یہ نیکی کرلی ہوتی، کاش اس نیکی کا ثواب حاصل کرلیا ہوتا۔

مرنے والا نیکیوں کو ترستا ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک نظم کہی ہے، جو درحقیقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک کلام سے ماخوذ ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر یہی بات فرمائی تھی کہ جب انسان مرجاتا ہے تو مرنے کے بعد وہ نیکیوں کو ترستا ہے، اور اگر کوئی آدمی اس کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے تو گزرنے والے سے وہ مردہ فریاد کرتا ہے کہ مجھ پر بھی تھوڑی سی فاتحہ پڑھتے جاؤ، میرے اوپر ایصال ثواب کرتے جاؤ۔ ایک تو یہ فریاد کرتا ہے۔ دوسرے زبان حال سے گزرنے والے کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ میں نے تو دنیا میں اپنا وقت گزارلیا، اور میں قبر کے اندر پہنچ گیا، اور اب میرے پاس عمل کرنے کا کوئی راستہ نہ رہا، لیکن تم ابھی زندگی سے بہرہ ور ہو، لہٰذا خدا کے لئے اپنی زندگی کے اوقات کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی کوشش کرو، یہ خلاصہ ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کا۔

مقبرہ کی آواز

میرے والد ماجد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کلام کو ایک نظم کی شکل میں لکھا ہے، جس کا نام ہے ''مقبرہ کی آواز'' یعنی ہر مقبرہ گزرنے والے کو آواز

دیتا ہے کہ :

مقبرہ میں اترنے والے سن
ٹھہر ہم پر گزرنے والے سن

عاجزوں کی ذرا صدا سن لے
زیر دستوں کی التجا سن لے
ہم بھی اِک دن زمیں پہ چلتے تھے
باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے
ہم بھی اِک دن زمین کے مالک تھے
ہم بھی کل رونق ممالک تھے
مالک نقد و جائیداد تھے ہم
بزمِ عالم میں بامراد تھے ہم
ہم بھی رکھتے تھے قصر عالیشاں
ہم بھی تھے مالکِ زمین و مکاں
ہم بھی رکھتے تھے کچھ زن و فرزند
تھے جو دل پارہ جگر پیوند
ہم بھی رکھتے تھے دوست و احباب
تھے ہمارے بھی خادم و بوّاب

کچھ بتادو یہ سب کہاں ہیں آج
یک بیک سب کے سب نہاں ہیں آج

جن کو مَر مَر کے میں نے پالا تھا
جن کے گھر کا میں اِک اُجالا تھا
جن کے ہر کام کا مدار تھا میں
جن کی بگڑی کا سازگار تھا میں
دین و دنیا کی ساری مکروہات
جنکی خاطر تھی میرے سارے دن رات
ہے کہاں آج وہ میری اولاد
کہ نہیں کرتی بھول کر بھی یاد
جس پہ تھا کل مدار راحت کا
جس کو دعوی تھا کل محبت کا
جس کی الفت کا دل میں تھا اِک داغ
کیا کسی گھر کا بن گئی وہ چراغ
آج وہ زینت حرم ہیں کہاں
مہبط الفت و کرم ہیں کہاں
کون آباد ہے میرے گھر میں
ملک کس کی ہے نقد و زیور میں

کوئی کرتا نہیں ہے یاد مجھے
سب نے چھوڑا ہے نامراد مجھے

ہم ہر اِک رہگذر کو تکتے ہیں
فاتحہ کے لئے ترستے ہیں
کہ کوئی بندۂ خدا آجائے
فاتحہ بیکسوں پہ پڑھ جائے

اے زمیں پر مچلنے والے دیکھ
کبر ونخوت سے چلنے والے دیکھ

ہم سے عبرت پکڑ لے غفلت کیش
یہی منزل تجھے بھی ہے در پیش
بھیج اس کے لئے کوئی ساماں
جس میں ہونا ہے کل تجھے مہماں
اپنا سامان اپنے ہاتھ سے باندھ
صبح چلنا ہے تجھ کو رات سے باندھ
کل نہ بھیجے گا کوئی خویش و عزیز
اپنے ہاتھوں سے بھیج اپنی چیز

چیز یاں کوئی بھی مفید نہیں
لیک رحمت سے کچھ بعید نہیں
زاد تقوی ہے بس یہاں تو ضرور
ظلمت قبر میں یہی ہے نور

اس کو افسانہ و خیال نہ جان
بات حق کہہ رہا ہوں مان نہ مان

وعظ ہے قبر ہے نشان میری
گرچہ خاموش ہے زبان میری
دل کے کانوں سے سن فغاں میری
درس عبرت ہے داستاں میری

جانے والے تو جاکے پھیلا دے
میری آواز سب کو پہنچا دے

(نوٹ : حضرت والا مدظلہم نے اگرچہ چند اشعار پڑھے تھے، لیکن افادہ عام کے لئے ہم نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشکول" سے پوری نظم یہاں نقل کردی ہے۔مرتب)

بہر حال! مرنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ جن کی فکر میں اور جن کے دھیان میں ہمارے دن رات بسر ہو رہے تھے، ان سب کو چھوڑ کر خیر آباد کہہ کر آج ہم اس قبر کے گھڑے میں آچکے ہیں، اور اس بات کو ترستے ہیں کہ کوئی بندۂ خدا آجائے، اور ہم پر فاتحہ پڑھتا جائے، تو اس کے نتیجے میں ہماری نیکیوں میں تھوڑا سا اضافہ ہو جائے۔

ہرگز تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے

اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں اس وقت کا ابھی سے دھیان دلا رہے ہیں کہ ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ٭ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ '' تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو، اور دن رات ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دولت اور عزت اور شہرت اور عیش حاصل کرنے کی فکر میں پڑے ہوئے ہو، اور اصل مقصد زندگی سے غافل بنے ہوئے ہو، یہاں تک کہ اسی حالت میں قبرستان میں پہنچ جاؤ گے ''كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ '' ہرگز تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، عنقریب تمہیں سب کچھ پتہ چل جائے گا'' ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ '' ہرگز تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، عنقریب تمہیں سب کچھ پتہ چل جائے گا'' كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ '' ہرگز تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ یعنی اگر ذرا غور و فکر کرتے تو تمہیں یقین آجاتا، اور پھر تم اس دنیاوی سامان پر فخر نہ کرتے اور نہ آخرت سے غافل ہوتے۔

جہنم کے اوپر سے ہر ایک کو گزرنا ہے

'' لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ '' ایک وقت آئے گا جب تم اپنی آنکھوں سے جہنم کو

دیکھ لو گے، دہکتی ہوئی آگ کو دیکھ لو گے ''جحیم'' کے معنی ہیں ''دہکتی ہوئی آگ''، یعنی ایک وقت آئے گا جب تم جہنم کی آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، اور یہ ہر شخص دیکھے گا، مسلمان بھی، اور کافر بھی، نیک بھی، اور بد بھی، ہر ایک کو اللہ تعالیٰ جہنم کا نظارہ کرائیں گے۔ جو کافر اور بدکار ہیں، ان کو تو صرف نظارہ نہیں کرایا جائے گا، بلکہ ان کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اللہ بچائے۔ لیکن جو مسلمان اور نیک ہیں، ان کو اس طرح نظارا کرایا جائے گا جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم : ۷۱)

تم میں کوئی نہیں ہے، جو جہنم پر جاکر اترے نہیں، یعنی جہنم سے گزرنا ہوگا، یہ پل صراط ہے جس کے اوپر سے گزر کر جنت میں جانا ہوگا، یہ پُل جہنم کے اوپر بنا ہوا ہے، اور ہر انسان کو اس کو اوپر سے گزرنا ہوگا، چاہے وہ مسلمان ہو، یا کافر ہو، نیک، یا بد ہو، صالح ہو، یا فاسق ہو۔

جہنم پر سے گزارنے کی وجہ

مسلمانوں کو اور نیک لوگوں کو جہنم کے اوپر سے گزارا جانا یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، تاکہ مسلمان اپنی آنکھوں سے نظارہ کریں کہ خدا نہ کرے، اگر ہم جہنمی ہوتے تو یہاں ہوتے، اور یہ ہماری جگہ ہوتی۔ اس پُل کے اوپر سے گزرنے کے بعد جب جنت میں پہنچیں گے تو جنت کی لذت اور اس کی راحت اور نعمت کا صحیح اندازہ ہوگا، سائے کا مزہ اس وقت آتا ہے جب انسان دھوپ سے گزر کر آیا ہو، جب دھوپ سے گزر جائے تب پتہ چلتا ہے کہ وہ سایہ کتنی

بڑی نعمت ہے، اگر دھوپ دیکھی ہی نہیں، اور ساری زندگی سائے میں گزاری تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ سایہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

پل صراط پر گزرنے کی رفتار

البتہ احادیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جو نیک لوگ ہوں گے، وہ بجلی کی سی تیزی سے گزر جائیں گے کہ جہنم کی آنچ بھی ان کو نہیں لگے گی، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا (الانبياء : ۱۰۲)

وہ لوگ جہنم کی آہٹ بھی نہیں سن سکیں گے، بس صرف آنکھوں سے نظارہ کریں گے کہ یہ کتنی خطرناک وادی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں اس سے محفوظ کر دیا۔ بعض لوگ اس پل پر سے بجلی کی سی تیز رفتاری سے نہیں، بلکہ اس سے کم رفتار سے گزریں گے، بعض لوگ اس سے بھی کم رفتار سے گزریں گے، کچھ لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے گزریں گے، لیکن ہر انسان اس کے اوپر سے ضرور گزرے گا۔

جہنم میں اس کا مقام دکھایا جائے گا

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ ہر مسلمان کو جنت میں لے جانے سے پہلے جہنم میں اس کو وہ جگہ دکھائی جائے گی کہ اگر اس نے ایمان لا کر عمل صالح نہ کیا ہوتا تو اس کی جہنم میں وہ جگہ ہوتی، یہ اس لئے دکھائی جائے گی تا کہ جنت کی نعمت کی قدر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کس عذاب سے بچا کر کیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، جنت میں داخل ہونے کے بعد اہل جنت یہ

کہیں گے کہ :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (الفاطر : ۳۴)

ان کے دل سے یہ آواز نکلے گی کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ کس مصیبت سے آپ نے مجھے نجات عطا فرمائی۔ اسلئے اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ" کہ تم ضرور بالضرور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کو دیکھو گے، اس وقت حسرت ہوگی۔

آج توبہ کا موقع میسر ہے

آخر میں فرمایا کہ "ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ" اس دن تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ دنیا میں جو نعمتیں ہم نے تمہیں دے رکھی تھیں، اس کا کیا حق تم نے ادا کیا؟ آج اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں یاد دلا رہے ہیں کہ ابھی تمہیں زندگی کی نعمت میسر ہے، ایسی نعمت میسر ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی ہے، اگر چا ہو تو ایک لمحہ میں اپنے لئے جنت کے خزانے اکٹھے کرلو، توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اگر کسی نے ستر سال گناہوں میں گزارے ہوں، اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر گزارے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بے پرواہ ہو کر گزارے ہوں، لیکن آج سچے دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہہ دے :

استغفر اللّٰه ربی من کلّ ذنب و أتوب الیه

اے اللہ! میں تمام گناہوں سے معافی مانگتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں، یعنی اپنی سابقہ زندگی پر نادم ہوں، اور آج سے یہ ارادہ اور عزم کرتا ہوں کہ آج کے بعد

آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ یہ کام آج ہی کرلو، سابقہ زندگی کے تمام گناہ اور تمام گندیاں دور ہو جائیں گی، ساری زندگی کا میل کچیل صاف ہو جائے گا، اور تم اسی وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاؤ گے، یہاں تک کہ اگر توبہ کرتے ہی انتقال ہو جائے تو اس طرح پاک صاف ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچو گے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''**التائب من الذنب کمن لا ذنب له**'' فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔

وہ گناہ نامہ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے

احادیث کی روشنی میں بزرگوں نے فرمایا کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرلیتا ہے تو توبہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ اس کے نامہ اعمال سے مٹا ہی دیا جاتا ہے، دنیا میں حساب و کتاب کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بیلنس شیٹ میں ایک کالم میں ''آمدنی'' درج کی جاتی ہے، اور دوسرے کالم میں ''خرچ'' درج کیا جاتا ہے، ڈیبٹ اور کریڈٹ کا سلسلہ چلتا ہے کہ اتنی آمدنی ہوئی، اور اتنا خرچ ہوا، اور یہ بیلنس رہا۔ اگر بالفرض آپ کے ذمہ کوئی قرضہ تھا، اور آپ نے وہ قرضہ ادا بھی کر دیا تو بھی لکھا جاتا ہے کہ یہ قرضہ تھا جو ادا ہو چکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو کہ جب بندہ توبہ کرلیتا ہے، توبہ کرنے کے بعد وہ گناہ اس کے نامہ اعمال سے مٹا ہی دیا جاتا ہے، ورنہ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ یہ لکھا جاتا کہ اس نے فلاں گناہ کیا تھا، لیکن توبہ کی وجہ سے ہم نے معاف کر دیا، لیکن نامہ اعمال میں اگر لکھا ہوا ہوتا تو اس سے کچھ شرمندگی تو ہوگی، کچھ ندامت تو ہوگی، اللہ تعالیٰ جنت میں کسی کی

ندامت بھی نہیں چاہتے، شرمندگی بھی نہیں چاہتے، کسی کی رسوائی بھی نہیں چاہتے، لہٰذا ان کی رحمت یہ ہے کہ جب ایک گناہ ہوا، اور اس کے بعد سچے دل سے توبہ کر لی تو وہ گناہ نامہ اعمال سے مٹا دیا جائے گا۔ اس لئے آج کسی نے توبہ کر لی اور اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا نامہ اعمال بالکل صاف ستھرا ہو گیا، جس میں کسی گناہ کا داغ دھبہ نہیں ہوگا، یہ توبہ ایسی کارآمد چیز ہے۔

روزانہ سونے سے پہلے توبہ کر لو

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ اے اللہ کے بندو! غفلت سے نکلو، اور عمر کے جو لمحات ہم نے تمہیں دیے ہوئے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، اس کے ایک لمحے میں ہم سے رجوع کر کے، اپنے گناہوں سے معافی مانگ کر ہماری بارگاہ میں توبہ کر کے اپنے آپ کو بالکل پاک صاف کر سکتے ہو، لہٰذا روزانہ اپنے آپ کو پاک صاف کرتے جاؤ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کو کم از کم اتنا تو کرنا ہی چاہیے کہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کر لیا کرے کہ یا اللہ! دن بھر میں مجھ سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئیں، جو کچھ گناہ ہوئے، جو غلطیاں ہوئیں، جہاں جہاں میرے قدم بہکے، یا اللہ! میں ان سب گناہوں اور غلطیوں سے معافی مانگتا ہوں، توبہ کرتا ہو، اپنے فضل و کرم سے مجھے معاف کر دیجئے۔ روزانہ یہ کام کرتے رہو، اس کے نتیجے میں روزانہ انشاء اللہ گناہوں کے میل کچیل سے پاک ہوتے چلے جاؤ گے۔

غفلت اور بے فکری کو دور کرو

لہٰذا غفلت کو دور کرو، یہ بے فکری اور بے پرواہی کی جو زندگی گزار رہے ہو، صبح سے لے کر شام تک ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمیں مرنا ہے، اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو زمین میں دفن کرتے ہو، اپنے کندھوں پر ان کے جنازے اٹھاتے ہو، اپنے ہاتھوں سے ان کو مٹی دیتے ہو، اور یہ سوچتے ہو کہ یہ مرنے کا معاملہ اس کے ساتھ ہو گیا، اپنا خیال نہیں آتا، کچھ اپنی موت کا دھیان اور خیال کر لیا کرو، اور موت کا خیال کر کے اپنی غفلت دور کر کے اپنی زندگی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق بنانے کی کوشش کرو تو انشاء اللہ نفع ہی نفع ہے، جیت ہی جیت ہے، فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

"بل تؤثرون الحیوٰة الدنیا و الاٰخرة خیر و ابقٰی "
(سورۃ الاعلیٰ: ۱۷۰)

لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو
جبکہ آخرت کی زندگی بہت بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

نعمتوں کی بارش اور آخرت میں سوال

تفسیر سورۃ تکاثر (۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۶ رمئی ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعمتوں کی بارش

اور آخرت میں سوال

(سورۃ التکاثر : ۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ، حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ، کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ، ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ، کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ، ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ، ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ، اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

سورۃ کا ترجمہ

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ التکاثر ہے، جس کا بیان گذشتہ دو جمعوں سے چل رہا ہے، یاددھانی کے لئے اس کا ترجمہ دوبارہ عرض کر دیتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ • حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ '' ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عیش حاصل کرنے کی فکر نے تمہیں غافل کر رکھا ہے، یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو ''كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ '' ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے، عنقریب تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا ''ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ '' دوبارہ فرمایا کہ تمہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے، عنقریب تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا ''كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ '' تیسری بار فرمایا کہ ہرگز تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، اگر تمہیں علم یقین حاصل ہو جائے ''لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ '' ضرور بالضرور تم اپنی آنکھوں سے جہنم کو دیکھ لوگے'' ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ '' پھر ضرور بالضرور اس جہنم کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے، پھر آخر میں فرمایا ''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ '' پھر اس دن تم سے پوچھا جائے گا ان نعمتوں کے بارے میں جو دنیا میں تم کو عطا کی گئیں۔

سر سے لے کر پاؤں تک نعمتیں ہی نعمتیں

اس سورۃ کے ابتدائی حصے کا بقدر ضرورت بیان پچھلے دو جمعوں میں ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کا دھیان رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ آخری جملہ جس میں یہ فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے

نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، یعنی ہم نے اس دنیا میں تم پر نعمتوں کی بارش برسائی ہوئی ہے، اگر دیکھا جائے تو تمہارا سارا وجود سر سے لے کر پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے عبارت ہے، تمہارا وجود، تمہاری آنکھیں، تمہارے کان، تمہاری ناک، تمہارا منہ، تمہاری زبان، تمہارے ہاتھ پاؤں، تمہارے جسم کا ایک ایک حصہ، اللہ جل شانہ کی نعمت ہے، اور ایسی نعمت ہے کہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک تم ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہو، اور بے مانگے مفت اور بغیر کسی محنت کے یہ نعمتیں تمہیں عطا کی گئی ہیں۔

آنکھ : ایک عظیم نعمت

اگر انسان ذرا دھیان کرے تو اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ آنکھ جو مجھے ملی ہوئی ہے، جس کے ذریعہ میں جو چاہتا ہوں، دیکھ لیتا ہوں، بینائی کی طاقت مجھے حاصل ہے، اس آنکھ کے ذریعہ میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہوں، اس آنکھ کے ذریعہ میں بے شمار چیزوں کا علم حاصل کرتا ہوں، یہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہوئی ہے، لیکن چونکہ یہ مفت میں مل گئی ہے، بے مانگے مل گئی ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی، اس وجہ سے اس نعمت کی قدر نہیں ہوتی۔ اگر آنکھ میں ذرا سا بال پڑ جائے تو پھر دیکھو کہ بے چینی کا کیا عالم ہوتا ہے، اگر کسی وقت بینائی ایک لمحے کے لئے جاتی رہے، تو پورے جسم میں زلزلہ آ جاتا ہے کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا، اور اگر کوئی ایسی بیماری کھڑی ہو جائے جس کے نتیجے میں بینائی جاتی رہے، تو اس وقت ساری زندگی

کی کمائی ہوئی دولت خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا کہ یہ دولت لے لو، اور میری بینائی مجھے واپس کر دو۔

زبان اور کان کی نعمت

یہ زبان ہے جس کے ذریعہ آپ جو بات کہنا چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں، ادھر دماغ میں کوئی بات آئی، اور ادھر زبان سے نکل گئی، کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی، کوئی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا، یہ سرکاری مشین ہے، جو پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد کام کرنا شروع کر دیتی ہے، اور مرتے دم تک ساتھ دیتی ہے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ کان ہیں، جن کے ذریعہ آپ جو چاہتے ہیں سن لیتے ہیں، اور اس کے ذریعہ آپ بے شمار چیزوں کا علم حاصل کرتے ہیں، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایسی مشین ہے جو پیدائش کے وقت سے لے کر مرتے دم تک ساتھ دیتی ہے، یہ کتنی بڑی اور عظیم نعمت ہے، لیکن چونکہ بے مانگے مل گئی ہے اس لئے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں۔ قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب اس میں ذرا نقص آ جائے۔ (خدا نہ کرے)

ہر کام سے پہلے اللہ کی حمد وثنا

یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی چند چھوٹی مثالیں ہیں، ورنہ ہر وقت ہر انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها (ابراهیم : ۳۴)

اگر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے، شمار نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک

واضح دلیل شیخ مصلح الدین شیرازی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''گلستان'' کے شروع میں لکھی ہے، ہر کتاب کے لکھنے کا قاعدہ یہ ہوتا ہے اور یہ مسنون بھی ہے کہ جب بھی آدمی کوئی بات کہنا شروع کرے، یا کوئی تحریر یا کوئی کتاب لکھے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے، قرآن کریم کی ابتدا بھی ان الفاظ سے ہو رہی ہے :

الحمد للہ رب العلمین

ہم جو تقریر کرتے ہیں، یا خطاب کرتے ہیں، اس میں سب سے پہلے خطبہ پڑھتے ہیں، وہ خطبہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد و ثنا پر مشتمل ہوتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ہر سانس میں دو نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں

تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''گلستان'' کو اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر سے شروع کیا، اور ان الفاظ سے شروع کیا کہ :

منت خدائے عزو جل که طاعتش موجب قرب است، و بشکر اندرش مزید نعمت ۔ هر نفسے که فرو میرود ممد حیات است ، وچوں برمی آید مفرح ذات ، پس در هر نفسے دو نعمت موجود است ، و بر هر نعمتے شکرے واجب ۔

کہ اس خدائے عز و جل کا احسان مند اور شکر گزار ہوں جس کی اطاعت

موجب قرب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی اس کی نزدیکی کا باعث ہے، اور شکر ادا کرنے میں نعمت کی زیادتی ہے، جو سانس کہ اندر جاتا ہے، وہ زندگی کو بڑھانے والا ہے، اور جو سانس باہر آتا ہے وہ سانس روح کو فرحت بخشنے والا ہے، پس ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں، اور اس کی ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔

صرف سانس کی نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتے

مطلب ان کے کہنے کا یہ ہے کہ اے اللہ! میں آپ کا شکر تو ادا کر رہا ہوں، لیکن میں کیسے یہ شکر ادا کر سکتا ہوں، اس لئے کہ اگر میں صرف اپنے جسم میں آنے جانے والے سانس پر غور کروں، تو میں صرف اس سانس کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں، کیوں؟ اس لئے کہ انسان جب سانس لیتا ہے تو ایک مرتبہ سانس اندر جاتا ہے، اور ایک مرتبہ باہر آتا ہے، سانس کا اندر جانا ایک نعمت ہے، اور سانس کا باہر آنا دوسری نعمت ہے، اس لئے کہ اگر سانس اندر ہی نہ جائے تو موت، اور اگر سانس اندر جا کر باہر نہ آئے تو موت، یہ تو اللہ تعالیٰ نے زندگی اس طرح قائم کی ہوئی ہے کہ سانس اندر بھی جاتا ہے اور باہر بھی آتا ہے، لہٰذا ہر سانس دو نعمتوں پر مشتمل ہے، اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے، لہٰذا اگر بندہ یہ چاہے کہ وہ صرف سانس کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے تو جتنی دیر میں وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اتنی دیر میں دوسرا سانس آجائے گا، اور اس دوسرے سانس پر پھر دو شکر واجب ہوں گے، تو ساری زندگی انسان صرف سانس کی نعمت کا شکر ہی ادا کرتا رہے، کوئی اور کام نہ کرے، تو صرف ایک سانس کی نعمت کا شکر بھی انسان ادا نہیں کر سکتا۔

ان نعمتوں کا دھیان ہی کرلو

لیکن اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے اتنی نعمتوں سے نہال کیا ہوا ہے، تیرا جسم ایک نعمت ہے، تیری صحت ایک نعمت ہے، تیرا کھانا ایک نعمت ہے، تیرا پینا ایک نعمت ہے، تیرا روزگار حاصل کرنا ایک نعمت ہے، تیرا گھر ایک نعمت ہے، تیرا بستر ایک نعمت ہے، تیری چارپائی ایک نعمت ہے، غرض نعمتوں کا ایک جہاں ہے، جس میں تو زندگی گزار رہا ہے، ہم تجھ سے یہ نہیں چاہتے کہ تو ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرے، اس لئے کہ یہ تو تجھ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن کم از کم یہ دھیان تو کرلیا کر کہ ساری نعمتیں کسی دینے والے کی عطا ہیں، اس دینے والے کا کبھی دل میں خیال لے آ، اور اس بات کا اقرار کرلے کہ اے اللہ! میں ساری نعمتوں کا تو شکر ادا نہیں کرسکتا، لیکن جتنی بھی نعمتیں ہیں، ان کا اقرار کرتا ہوں کہ آپ ہی نے مجھے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ بہر حال دن بھر میں کچھ وقت تو ایسا ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا ہو جائے۔

قیامت کے روز نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا

قرآن کریم میں فرمایا ''ثُمَّ لَتُسْـئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ'' یعنی آج تو تم غفلت میں زندگی گزار رہے ہو، صبح سے شام ہو جاتی ہے، اور شام سے صبح ہو جاتی ہے، ہماری دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہو، اور ان نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو، تمہیں ان نعمتوں کے ہونے کا خیال اور دھیان بھی نہیں آتا، لیکن ایک وقت ایسا آئے گا جب تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کیا کیا

نعمتیں ہم نے تم کو دی تھیں، اور ان نعمتوں کا تم نے کیا حق ادا کیا، اور کیا شکر ادا کیا۔

فاقہ اور بھوک نے گھر سے نکالا ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ایک تلقین فرمائی کہ اگر چھوٹی چھوٹی نعمتیں بھی تم کو حاصل ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلے، اور اس وجہ سے گھر سے نکلے کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا، فاقہ گزر رہا تھا، بھوک لگی ہوئی تھی، آپ نے سوچا کہ گھر سے باہر نکل کر کچھ کھانے کا سامان تلاش کریں، جب باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی گھر سے باہر نکلے ہوئے ہیں، آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں گھر سے نکلے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! بھوک لگی ہوئی ہے، گھر میں فاقہ ہے، آپ نے فرمایا کہ جس چیز نے تمہیں نکالا ہے، اسی چیز نے مجھے بھی گھر سے باہر نکالا ہے، پھر فرمایا کہ چلو آج ہم اپنے ایک دوست کے باغ میں چلتے ہیں، ایک انصاری صحابی تھے حضرت ابو الہیثم بن طیحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ نے فرمایا کہ چلو ان کے باغ میں چلتے ہیں، آپ وہاں تشریف لے گئے۔

اس پانی، سایہ اور کھجور کی نعمت کا سوال ہوگا

حضرت ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں کام میں مشغول تھے، انہوں نے اچانک جب یہ دولت دیکھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باغ میں تشریف لے آئے ہیں، تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اور سرکار دو عالم صلی

اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا، اور چونکہ گرمی کا موسم تھا، دھوپ تیز تھی، اس لئے انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درخت کی چھاؤں میں ایک جگہ بنائی کہ آپ یہاں تشریف فرما ہوں، آپ تشریف فرما ہوئے، درخت کے سائے میں بیٹھے فوری طور پر حضرت ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تازہ تازہ کھجوریں جو ان کے باغ سے اتریں تھیں، ایک تھال میں رکھ کر لے آئے، اور ٹھنڈا پانی لے کر آئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کی، آپ نے وہ کھجوریں تناول فرمائیں، اور ٹھنڈا پانی پیا، پھر فرمایا کہ دیکھو! یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، یہ کھجوریں ہمیں بھوک کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں، گرمی میں پیاس کی حالت میں ٹھنڈا پانی عطا فرمایا، یہ کتنی بڑی نعمت ہیں، اور گرمی اور دھوپ کے اندر درخت کا سایہ عطا فرمایا، یہ کتنی بڑی نعمت ہے، اور یہ کھجور، یہ پانی اور یہ سایہ ان نعمتوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ...... کہ اس دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ یعنی ان نعمتوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ اس دن ہم نے بھوک کی حالت میں کھجوریں عطا فرمائی تھیں، اور پیاس کی حالت میں پانی عطا کیا تھا، اور درخت کا سایہ عطا کیا تھا، تم نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا۔

تم نے اس نعمت کی ناقدری تو نہیں کی

اس کے ذریعہ آپ نے صحابہ کرام کو فوراً تنبیہ فرمادی کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت حاصل ہو، تو اس وقت دھیان کرو کہ ایک دن مجھے اس نعمت کا جواب

دینا ہے کہ اس نعمت کو تم نے کس طرح حاصل کیا؟ قیامت کے دن کیا سوال ہوگا؟ نعمتوں کے بارے میں کیا پوچھا جائے گا؟ اس بارے میں ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے تمہیں فلاں فلاں نعمتیں دی تھیں، تم نے ان کو کس طرح استعمال کیا؟ تم نے اس نعمت کو ضائع تو نہیں کیا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا انعام تھا، اس کا دیا ہوا رزق تھا، تم نے اس کو ضائع تو نہیں کیا، اگر ضائع کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس نعمت کی ناشکری ہے، ناقدری کی، اور اللہ کی نعمت کا حق ادا نہیں کیا۔

فقر و فاقہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جھیل گئے

اب ذرا ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے طرز عمل کو دیکھیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے روز ہمیں کھانا عطا فرماتے ہیں، بھوک لگتی ہے، کھانا مل جاتا ہے، وہ زمانے گئے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے جھیل لئے، لیکن آج کوئی غریب سے غریب آدمی بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کو کسی نہ کسی شکل میں کھانا نہ مل جاتا ہو، الحمد للہ۔ کوئی شاذ و نادر ہی ایسا شخص ہوگا جو فاقے جھیل رہا ہو، کھانا کسی نہ کسی صورت میں ہر ایک کو مل جاتا ہے، غریب کو بھی، امیر کو بھی، دولت مند کو، خوشحال لوگوں کو بھی۔ لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ تم واقعۃً اس کھانے کی نعمت کو صحیح طور پر استعمال کر رہے ہو؟ اس نعمت کو ضائع تو نہیں کر رہے۔ خاص طور پر جو لوگ ذرا خوشحال ہیں، ان کے ہاں یہ طرز عمل ہے کہ کھانا ان کے

سامنے آیا، اپنی مرضی سے جتنا کھانا تھا کھالیا، باقی بچے ہوئے کھانے کو ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں، اس طرح پھینک دیتے ہیں کہ ہم اس کھانے سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

کھانا ضائع مت کرو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کا ہر ہر حصہ ایک نعمت ہے، اس کو ٹھکراؤ نہیں، اس کو ضائع مت کرو، کسی نہ کسی اللہ کی مخلوق کے کام آجائے، اگر وہ کھانا تم سے بچ گیا ہے تو کسی دوسرے آدمی کو دیدو، کسی غریب کے گھر پہنچادو۔ اول تو کھانا اس طرح کھاؤ کہ جو کھانا بچ جائے وہ اس طرح نہ بچے کہ دوسروں کیلئے قابل نفرت ہو، پلیٹ میں تھوڑا کھانا نکالو، اور اس کو کھالو، مزید ضرورت ہو تو اور لے لو، لیکن یہ نہ ہو کہ پلیٹ تو پوری بھرلی، اور اس میں سے آدھا کھاسکے، اور باقی آدھا اس طرح بیکار گیا کہ وہ کسی کے کھانے کے قابل نہ رہا۔

ہماری دعوتوں کا حال

آج ہم اپنی دعوتوں کا حال دیکھیں، شادی، بیاہ اور دوسری تقریبات میں جو دعوتیں ہوتی ہیں، ان کے اندر ذرا دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے، خاص طور پر جو بوفے سسٹم میں کھانا لگا دیا جاتا ہے، اور لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ آپ اپنی مرضی سے حسب خواہش کھانا نکال لیں، تو ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں کسی طرح اپنی پلیٹ بھر لوں، چاہے کھایا جائے، یا نہ کھایا جائے، پتہ نہیں بعد میں ملے گا یا نہیں ملے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھری ہوئی پلیٹ آدھی یا تہائی کھائی، اور باقی ضائع ہوگیا۔

ہماری دعوتوں میں جو کھانا بچ جاتا ہے اگر حساب لگایا جائے تو کم و بیش بیسیوں آدمیوں کا پیٹ بھرنے کے لئے وہ کافی ہے، اور جو دعوتیں لمبی چوڑی ہوتی ہیں، ان میں تو بچے ہوئے کھانے سے سینکڑوں آدمیوں کا پیٹ بھر جائے، ہم اللہ کے دیے ہوئے رزق کو اس طرح ضائع کر رہے ہیں، اس لئے کہ وہ بچا ہوا کھانا اب کوڑے میں پھینک دیا جائے گا۔ دن رات یہ صورت ہو رہی ہے، اور ہمیں دھیان بھی نہیں آتا کہ ہم اللہ کی نعمت کی کیسی ناقدری اور ناشکری کر رہے ہیں، ہوٹلوں میں تو سیروں اور منوں کے حساب سے کھانا بچتا ہے، اور کوڑے کی نظر ہو جاتا ہے، اگر کسی اللہ کے ضرورت مند بندے کو وہ پہنچ جاتا تو اس کی بھوک مٹ جاتی، اس کے کام آجاتا، لیکن اللہ کی نعمت کو اس طرح ضائع کیا جا رہا ہے۔

دستر خوان جھاڑنا ایک فن ہے

آخر میں ایک واقعہ سنا کر بات ختم کرتا ہوں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ان کے استاذ تھے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو ''حضرت میاں صاحب'' کے نام سے مشہور تھے، اور بڑے درجے کے بزرگ تھے، ایک دن میں نے ان کے ساتھ ان کے گھر پر بیٹھ کر کھانا کھایا، کھانے کے بعد دستر خوان پر ہڈیاں، روٹی کے ذرات، روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رہ گئے، میں نے چاہا کہ دستر خوان اٹھا کر باہر جھاڑ دوں۔ جب میں دستر خوان اٹھانے لگا تو میاں صاحب نے پوچھا کہ کیا کرنے جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت! دستر خوان جھاڑنے جا رہا ہوں،

آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں دستر خوان جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا یہ کیا دستر خوان جھاڑنا بھی کوئی فن ہے؟ جس کو سیکھا جائے، آپ نے فرمایا: ہاں! یہ بھی ایک فن ہے، اسی لئے میں نے تم سے پوچھا، میں نے کہا کہ حضرت! پھر مجھے یہ فن سکھا دیجئے، فرمایا کہ چلو میں تمہیں یہ فن سکھاتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے پہلے دستر خوان کے اوپر وہ ہڈیاں علیحدہ کیں جو صرف ہڈیاں تھیں، ان میں کوئی گوشت نہیں تھا، ان ہڈیوں کو ایک طرف جمع کیا، کچھ ہڈیاں ایسی تھیں، جن پر کچھ گوشت بھی لگا ہوا تھا، ان کو ایک طرف علیحدہ جمع کیا، پھر روٹی کے جو چھوٹے ٹکڑے تھے ان کو ایک طرف جمع کیا، پھر جو روٹی کے ذرات اور برادتھا، اس کو ایک طرف جمع کیا۔

کھانے کا ایک ایک ذرہ ضائع نہ ہو

پھر فرمایا کہ میں نے ان میں سے ہر چیز کی الگ الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ ہڈیاں میں فلاں جگہ پر رکھتا ہوں، وہاں کتا آتا ہے، اور ان ہڈیوں کو کھالیتا ہے، اور یہ جو دوسری ہڈیاں ہیں جب پر گوشت کا کچھ حصہ بھی لگا ہوا ہے، اس کی جگہ فلاں ہے، وہاں پر بلی آتی ہے، وہ اس کو کھالیتی ہے، اور یہ روٹی کے ٹکڑے اس دیوار کے اوپر رکھ دیتا ہوں، وہاں کوے اور چیلیں آتی ہیں، وہ ان ٹکڑوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں، اور یہ روٹی کے ذرات اور برادہ فلاں جگہ ڈال دیتا ہوں، وہاں چیونٹیوں کا بل ہے، وہ چیونٹیاں کھالیتی ہیں، ان کی خوراک بن جاتی ہے، یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے، اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہیے، اللہ کی کسی نہ کسی مخلوق کے کام میں آنا چاہیے۔ اس واقعہ سے حضرت والا نے یہ تعلیم دی۔

نعمتوں کی ناقدری سے بچیں

بات دراصل یہ ہے کہ ان کو الحمد للہ اس بات کا احساس تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے، یہ رزق بیکار نہیں جانا چاہیے، بلکہ اس کا ایک ایک ذرہ اللہ کی کسی نہ کسی مخلوق کے کام آنا چاہیے۔ آج اگر حساب لگا کر دیکھیں، اور اس اصول پر عمل کرلیں کہ اللہ کے دیے ہوئے رزق کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوگا تو شاید اس ملک میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے، اور فقر وفاقہ کا سد باب ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی وجہ سے ہم نے اپنے اوپر یہ عذاب مسلط کیا ہوا ہے کہ کسی کے گھر میں تو رزق کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، اور کوئی کھانے کو ترس رہا ہے، قرآن کریم کا کہنا ہے کہ ان نعمتوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا، پہلا سوال یہی ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا؟ اس نعمت کی ناقدری تو نہیں کی، اس کو بیکار ضائع تو نہیں کر دیا؟ اللہ تعالیٰ آج ہمیں یہ سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے کسی رزق کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، اور اس کو کسی نہ کسی صحیح مصرف پر لگائیں گے، جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو، اور ہم رزق کی ناقدری میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو

تفسیر سورۂ تکاثر (۴)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۱۳ رمئی ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعه

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو

(سورۃ التکاثر : ۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۔ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۔ آمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ التکاثر ہے، اس کی آخری آیت کا بیان دو تین جمعوں سے چل رہا ہے، آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ''یعنی جب قیامت کا دن آئے گا، اور آخرت کا عالم شروع ہوگا تو اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ جو نعمتیں تمہیں دنیا میں عطا کی گئی تھیں، تم نے ان کی کیا قدر کی؟ اور ان کو تم نے کس طرح استعمال کیا؟ یہ سوال قیامت کے دن ہر انسان سے ہوگا۔

قیامت کے روز نعمتوں کے بارے میں سوال

کہنے کو تو یہ بات مختصر سی ہے، کہ نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا، لیکن اگر اس کی گہرائی میں جائیں تو بڑی زبردست تنبیہ ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی زندگی میں فرمارہے ہیں کہ جو نعمتیں ہم نے تمہیں دنیا میں عطا فرما رکھی ہیں، ان کو استعمال کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھو کہ ایک دن آئے گا جب تم سے ان سب نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، یہ امتحان ہے جو تم سے قیامت کے دن لیا جائے گا، اور اس امتحان کے اندر اگر تم نے صحیح جواب دیا، اور صحیح حقیقت بتادی تو تم کامیاب ہو جاؤ گے، ورنہ تمہارے لئے زبردست ناکامی ہوگی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پہلے ایک تنبیہ فرمائی جارہی ہے۔ اگر غور کرو تو یہ زبردست لمحہ فکریہ ہے، کیونکہ ہر انسان ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے، سر سے لے کر پاؤں تک، اس کے ماحول میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ایک جہان ہے، جس میں

وہ جی رہا ہے، ان سب کے بارے میں اس کو جواب دینا ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا؟ اور اس کی کیا قدر کی؟

تم نے نعمت کی ناقدری تو نہیں کی

گذشتہ دو جمعوں سے میں عرض کر رہا ہوں کہ سب سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی اس کو تم نے ضائع تو نہیں کیا؟ اس نعمت کا صحیح استعمال کیا یا نہیں؟ اگر تم نے اس نعمت کو ضائع کر دیا تو تم نے اس نعمت کی ناشکری کی، اور اس کی ناقدری کی، اس واسطے تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ کی چھوٹی بڑی ہر طرح کی نعمتیں شامل ہیں۔ اور گذشتہ جمعہ میں نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن شدید بھوک کی حالت میں ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، اور وہاں پر ان صحابی نے آپ کو گرمی کے موسم میں ایک درخت کے سائے میں بٹھایا، ٹھنڈا پانی پلایا، کچھ کھجوریں پیش کیں، آپ نے کھجوریں تناول فرمائیں، ٹھنڈا پانی پیا، پھر آپ نے فرمایا کہ یہ وہ نعمت ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں سایہ عطا کیا تھا، ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی دیا تھا، اور کھجوریں دی تھیں، تم نے اس کا کیا حق ادا کیا؟ اس کے ذریعہ آپ نے بتادیا کہ اگرچہ دیکھنے میں وہ نعمت معمولی نظر آرہی ہو، لیکن اگر تم نے اس کی ناقدری کی تو آخرت میں تمہیں اس کیلئے جواب دہ ہونا ہوگا۔ اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی ہی احتیاط کے ساتھ نعمتوں کی قدر پہچاننے کی تاکید فرمائی، اور اپنے صحابہ کرام کو اسکی

تربیت دی۔

نوالہ گر جائے تو صاف کر کے کھالو

مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ اگر کھانا کھاتے وقت کھانے کی چیز یا نوالہ تمہارے ہاتھ سے گر جائے تو تم اس کو ضائع نہ کرو، بلکہ اگر اس کو صاف کر کے کھانا ممکن ہو تو صاف کر کے اس کو کھالو، یہ درحقیقت اس نعمت کی قدر کرنے کا ایک طریقہ ہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، ہاں اگر وہ چیز اس طرح گر گئی ہے کہ اب اس چیز کو کھانا ممکن نہیں تو پھر معاف ہے، ورنہ جب تک کھانے کے قابل ہو تو اس کو ضائع مت کرو۔ ہم چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دور ہوتے جارہے ہیں، اس لئے اس بات کو ہم عیب سمجھتے ہیں کہ دستر خوان پر گرنے والی چیز کو اٹھا کر کھا لیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو صاف کرو، اور کھالو۔

کسریٰ کے دربار میں

صحابہ کرام کا ایک واقعہ منقول ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایران تشریف لے گئے، اس وقت ایران میں کسریٰ کی حکومت تھی، کسریٰ بڑا ظالم اور جابر قسم کا بادشاہ تھا، اور اس زمانے میں سپر پاور سمجھا جاتا تھا، جب کسریٰ کے ساتھ مذاکرات کا وقت آیا تو صحابہ کرام کو اس نے دعوت دی کہ ہم سے آکر بات کریں، حضرات صحابہ کرام میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے،

جب مذاکرات کے لئے اس کے دربار میں گئے تو جیسا کہ شاہی مہمانوں کے ساتھ سلوک ہونا چاہیے، اس طرح اس کے دربار میں ایک دسترخوان بچھا کر صحابہ کرام کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں پیش کیں، اتفاق سے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی چیز کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے وہ نوالہ دسترخوان پر گر گیا، انہیں یاد آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تلقین فرمائی ہے کہ اگر اللہ کے رزق کا کوئی حصہ زمین پر گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو، بلکہ اس کو صاف کر کے کھالو، چنانچہ اسی سنت پر عمل کرنے کے لئے انہوں نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، جو ساتھی برابر میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اشارہ کر کے منع کیا، ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، اس لئے کہ بادشاہ کے ساتھ مذاکرات ہو رہے ہیں، بادشاہ کی مجلس میں، اگر یہاں نیچے سے نوالہ اٹھا کر کھائیں گے تو یہ لوگ سمجھیں گے یہ ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، ذرا سی چیز نیچے گر گئی ہے تو اس کو اٹھا کر کھانے کی فکر میں ہیں، ان کے ذہن میں اسی عمل کی وجہ سے برا تأثر قائم ہوگا، اور یہ کوئی اچھا محسوس نہیں کریں گے۔

کیا ان احمقوں کیوجہ سے حضور ﷺ کی سنت چھوڑ دوں

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ساتھی سے فرمایا

أأترک سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم لهؤلاء الحمقی

کیا میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میرے سامنے ہے، اس پر میں عمل کر رہا

ہوں، اس کی وجہ یہ ہے یہ مجھے اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، چاہے اس کا یہ اچھا تأثر لیں، یا برا تأثر لیں، میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیم، اور آپ کی دی ہوئی تربیت کے خلاف نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ نوالہ اٹھایا، صاف کیا، اور کھالیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپکی تعلیمات کی عظمت اور محبت دل میں پیوست ہو جاتی ہے، تو پھر وہ انسان ساری دنیا سے بیگانہ ہو جاتا ہے، پھر دنیا چاہے اچھا کہے، یا برا کہے، مذاق اڑائے، تا تنگ نظر سمجھے، ہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں گے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر

ایک ایسا ہی واقعہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یاد آیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ کے کافروں نے آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا، اور یہ کہا کہ اگر آپ آگے بڑھیں گے تو ہم آپ سے جنگ کریں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے ارادے سے تشریف نہیں لے گئے تھے، اس لئے آپ نے ان کافروں سے کہا کہ اگر تم کوئی مصالحت کی بات کرنا چاہو تو ہم مصالحت کرنے پر تیار ہیں، اس پر ان کافروں نے کہا کہ مصالحت کے لئے اپنا کوئی نمائندہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ کے لوگوں سے بات چیت کے لئے بھیجا، چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچا زاد بھائی کے گھر میں جا کر ٹھہرے، اور وہاں رات گزاری۔

ٹخنوں سے لٹکا ہوا ازار جہنم میں جائے گا

صبح کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کے سرداروں سے ملاقات کے لئے جانے لگے تو چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ تھی کہ تم اپنا پائجامہ، ازار یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے نہ رکھو، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ جو شخص شلوار یا ازار یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے پہنے گا تو جتنا حصہ اس کا ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ سب جہنم میں جائے گا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار ٹخنوں سے اوپر نصف ساق تک ہوتا تھا، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نصف ساق تک ازار پہنتے تھے، جبکہ اہل عرب اور مکہ کے پرانے سرداروں ہاں شلوار، ازار اور تہبند جتنا نیچے ہوتا، اتنا ہی قابل فخر سمجھا جاتا تھا، ایک عربی شاعر کا ایک شعر ہے کہ :

اذا ما اصطبحت اربعًا خط میزری

زمانہ جاہلیت کا یہ شاعر اپنا فخر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب صبح کے وقت شراب کے چار جام پی کر گھر سے نکلتا ہوں تو میرے ازار کا پچھلا حصہ زمین پر گھسٹتا ہوا لکیریں بناتا ہوا جاتا ہے، یعنی میرا ازار نیچے لٹکا ہوا ہوتا ہے، وہ اسی کو قابل فخر سمجھتے تھے۔ جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

میرے آقا کا لباس ایسا ہی ہوتا ہے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ازار بھی نصف ساق تک ہوتا تھا، جب مکہ کے سرداروں سے مذاکرات کے لئے جانے لگے تو ان کے چچازاد بھائی نے

ان سے کہا کہ آپ مذاکرات کے لئے جارہے ہیں، اس لئے آپ اپنا حلیہ ایسا بنالیں جس سے ان کے دل میں آپ کا احترام ہو، اگر آپ اونچا ازار کر کے جائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ ان کے دلوں میں آپ کی بے وقعتی ہو، وہ آپ ذلیل سمجھیں، اس لئے وقت کی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ اپنی ازار کو نیچے کرلیں۔ جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لا : ھکذا ازارۃ صاحبنا صلی اللہ علیہ وسلم

میں یہ کام نہیں کرسکتا، میرے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس ایسا ہی ہوتا ہے، میں ایسا ہی لباس پہن کر جاؤں گا، چاہے یہ میری عزت کریں، یا ذلیل کریں، چاہے مجھے یہ اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، میں تو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا پابند ہوں، میں اس کے مطابق عمل کروں گا، چنانچہ اسی حالت میں گئے، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جن حضرات صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھا، انہوں نے ساری دنیا سے اپنی عزت کروائی، ساری دنیا نے ان کے آگے سر جھکائے۔

زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

آج ہم اس فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں فلاں ناراض نہ ہوجائے، فلاں ناراض نہ ہوجائے، وہ ہمیں حقیر نہ سمجھے، وہ ہمیں برا نہ سمجھے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ساری دنیا ہم پر ہنس رہی ہے، اور ساری دنیا کے آگے ہم

ذلیل وخوار ہیں، ہمارے ملک کے ایک شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ :

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

جب تک تمہارے دل میں یہ ہے کہ یہ اہل مغرب ہمارا مذاق نہ اُڑائیں، یا فلاں قوم ہمارا مذاق نہ اُڑائے، اور اس کی وجہ سے حالات میں تبدیلیاں کرتے رہتے ہو، اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احکامات کو نظر انداز کئے ہوئے ہو، جب تک تمہارا یہی رویہ رہے گا، زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا، تمہارا مذاق اُڑاتا رہے گا، تمہیں ذلیل کرتا رہے گا، تمہاری پٹائی کرتا رہے گا، آج آپ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہی سب ہورہا ہے۔

بجلی کی نعمت کی ناقدری

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سماگئی تھیں، اس کے نتیجے میں انہوں نے ساری دنیا سے اپنا لوہا منوایا، اور اپنی عزت بھی کرائی، اور ساری دنیا نے ان کی عزت کے لئے اپنے بازو بچھائے۔ بہر حال! یہ بات کہ اگر لقمہ نیچے گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھالو، لیکن ہم لوگ نہ جانے کن کن تصورات کے اندر مبتلا ہیں، جس کی وجہ سے اس کو چھوڑے ہوئے ہیں، اصل مقصد اس کا یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی چھوٹی چھوٹی نعمت کی قدر پہچانو، اور اس کو ضائع نہ ہونے دو، آج ہمارے معاشرے میں جو مصیبت آئی ہوئی ہے، اس کی ایک بہت بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری ہے، آج پورا ملک بجلی

کی کمی لوڈ شیڈنگ کے نتیجے میں بلبلا رہا ہے، مظاہرے ہو رہے ہیں، احتجاج ہو رہا ہے، واقعۃً حکومت کی نا اہلی ہے کہ اس نے اب تک اس مسئلہ کو حل نہیں کیا۔ لیکن اس میں بہت بڑا دخل اس بات کو ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری اس طرح کی جا رہی ہے کہ بلا وجہ بجلی خرچ کی جا رہی ہے، جس کا کوئی مقصد نہیں۔ بہت سے کام ہم دن کی روشنی میں آرام سے کر سکتے ہیں، لیکن پردے ڈال کر دن کی روشنی ختم کر کے بجلی جلائی جا رہی ہے، جس کے نتیجے میں بجلی خرچ ہو رہی ہے، قومی دولت کا ضیاع ہو رہا ہے۔

سرچ لائٹس کی روشنی میں کھیل

اس کے علاوہ ہر جگہ نظر دوڑا کر دیکھو تقریباً ہر دفتر میں اور ہر گھر میں یہ منظر نظر آئے گا کہ بجلی کے قمقمے بلا وجہ جل رہے ہیں، ان کو بند کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، لیکن جل رہے ہیں، بلا وجہ پنکھے چل رہے ہیں، اے سی بلا وجہ چل رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری ہے، جس کے نتیجے میں پوری قوم اس کا نقصان بھگت رہی ہے۔ ایک طرف تو بجلی کی کمی کا رونا رویا جا رہا ہے، اور دوسری طرف کھیل اور میچ رات کے وقت منعقد کیے جا رہے ہیں، جس میں سرچ لائٹس لگا کر روشنی کا اعلیٰ ترین انتظام کر کے کھیل ہوتا ہے، اور جس میں بے انتہا بجلی کا خرچ ہو رہا ہے، حالانکہ وہ کھیل دن میں بھی ہو سکتا ہے، تقریبات میں بجلی کا ضیاع ہو رہا ہے، شادی ہالوں میں بجلی کا ضیاع ہو رہا ہے، غرض ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ نعمت چھین لی، اس کے نتیجے میں پوری قوم بلبلا رہی ہے۔

چین میں بجلی کا استعمال

ایک مرتبہ میرا چین جانا ہوا، وہاں کے سب سے بڑے شہر ''بیجنگ'' میں جب میں اترا، اور ائر پورٹ سے جب ہوٹل کی طرف جا رہا تھا، تو راستے میں مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کہیں ویرانے میں جا رہا ہوں، کیونکہ رات کا وقت تھا، روشنی بہت کم تھی، کہیں کہیں راستے میں چھوٹے چھوٹے بلب لگے ہوئے تھے، میں یہ سمجھا کہ شاید یہ شہر کے باہر کا علاقہ ہے، لیکن سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بالکل شہر کا مرکز ہے، اور وسط ہے، میں نے سوال کیا کہ شہر کا مرکزی علاقہ ہے، لیکن روشنی کا معقول انتظام نہیں ہے، بلکہ چھوٹے چھوٹے بلب لگے ہوئے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہیں رشنی والا سائن بورڈ نظر نہیں آیا جو روشنی کی وجہ سے چمک رہا ہو، وہاں کے لوگوں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بجلی کم ہے، لہٰذا ہم اسی حساب سے اس کو استعمال کرتے ہیں، اور اسی لئے چھوٹے چھوٹے بلب لگائے ہوئے ہیں، جب بجلی کی پیداوار زیادہ ہو جائے گی تو بڑے بلب لگالیں گے۔

چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ

یہ وہ تعلیم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی، وہ یہ کہ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ، اپنی وسعت کی حد تک کام کرو، اس سے آگے نہ بڑھو، آج ہم میں سے ہر شخص کی زبان پر بجلی کی قلت کا شکوہ ہے، ہر شخص بجلی کی قلت سے پریشان ہے، لیکن جب وہ استعمال کرنے پر آتا ہے، تو اس وقت یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ قومی دولت ہم اس طرح ضائع کر رہے ہیں، نہ جانے کتنے لوگ ہسپتالوں میں بیمار

ہیں، اور ان کے آپریشن صرف اس وجہ سے رکے ہوئے ہیں کہ بجلی نہیں ہے، آج اگر پوری قوم بجلی کو استعمال کرتے وقت اس بات کا لحاظ کرلے کہ بجلی بلا وجہ ضائع نہ ہو تو نہ جانے اس کی وجہ سے بجلی کی اتنی مقدار بچ جائے کہ کسی مریض کا آپریشن ہو سکے، کسی کی جان بچ جائے، کسی کو فائدہ پہنچ جائے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کرلیں، مگر افسوس یہ ہے کہ اسکی طرف کسی کا دھیان نہیں، اس کے نتیجے میں ہم یہ عذاب بھگت رہے ہیں۔

اس وعظ سے عملی سبق لو

بھائی! اس تقریر اور وعظ سے کوئی فائدہ نہیں جب تک اس تقریر سے عملی سبق نہ لیں، ہم آج یہ عہد کریں کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں میسر ہیں، ان کی صحیح قدر پہچانیں گے، اور ان کو ضائع ہونے سے بچائیں گے، اور ان نعمتوں کو صحیح استعمال کریں گے، اور ضرورت سے زائد نعمت کو دوسروں کے لئے چھوڑ دیں گے۔ اگر اس کا اہتمام کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ قیامت کے روز ہم سے ان نعمتوں کے بارے میں جو سوال ہونے والا ہے، انشاء اللہ اس سوال کے جواب میں ہم کامیاب ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اللہ کی نعمتوں کی قدر پہچانو

تفسیر سورۂ تکاثر (۵)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	۳/جون ۲۰۱۱ء
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطباتِ عثمانی	:	جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کی نعمتوں کی قدر پہچانو

(سورۂ تکاثر: ۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۂ تکاثر ہے، جس کی تلاوت میں نے آپ کے سامنے کی، اس سورۃ کی تفسیر کا بیان گذشتہ کئی جمعوں سے چل رہا ہے۔ یاد دھانی کے لئے ایک مرتبہ پھر اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ہوس نے تم کو غفلت میں ڈال رکھا ہے، یعنی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں یہ بھول گئے ہو کہ تم اس دنیا میں کیوں آئے ہو، یہاں تک کہ اسی غفلت کی حالت میں تم قبرستانوں تک پہنچ جاتے ہو، ''کَلَّا'' ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے، تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا، کاش کہ تم یقین کے ساتھ جانتے کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ جب تم دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، پھر تم سے ضرور ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جو تمہیں دنیا میں دی گئی تھیں، یہ اس سورۃ کا ترجمہ ہے۔

ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا

اس کی ابتدائی آیتوں کا بیان الحمد للہ بقدر ضرورت ہو چکا، آخری آیت جس میں یہ فرمایا کہ تم سے قیامت کے روز نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا، یعنی اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کی ہوئی ہے، سر سے لے کر پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو، یہ زندگی ایک نعمت ہے، یہ جسم ایک نعمت ہے، جسم کا ایک ایک عضو نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کھانے کو جو دے رہے

ہیں، وہ نعمت ہیں، پینے کو جو دے رہے ہیں، وہ نعمت ہیں، ان نعمتوں کے بارے میں تم سے سوال ہوگا۔

تم نے کھانے کی نعمت کی کیا قدر پہچانی؟

کیا سوال ہوگا؟ پہلا سوال وہ ہے جس کی طرف میں نے گذشتہ جمعہ اشارہ کیا تھا، وہ یہ ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی کیا قدر پہچانی؟ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ کھانا ایک نعمت ہے، الحمد للہ ہم سب کے پیٹ بھرے ہوئے ہیں، اس لئے کبھی یہ بات سوچنے کی نوبت نہیں آتی کہ ہم کیا کھائیں گے، ان لوگوں سے پوچھئے جو بھوک کی تکلیف کا شکار ہوتے ہیں، جن کے گھروں میں فاقے گزرتے ہیں، جن کے گھروں میں آگ نہیں جلتی، ان سے پوچھو یہ کھانا کتنی بڑی نعمت ہے، اور اللہ تعالیٰ روزانہ صبح و شام کھانے کی نعمت دے رہے ہیں، اور ہم اس کھانے کو لذت لے کر کھاتے ہیں، پہلا سوال یہ ہے کہ اس کھانے کی نعمت کی کیا قدر پہچانی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے اس نعمت کو ضائع کر دیا ہو؟ برباد کر دیا ہو؟ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تم کو اس لئے دی گئی ہے کہ یا تو تم خود اس سے فائدہ اٹھاؤ، یا اس سے اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ، لیکن اگر تم نے اس نعمت کی یہ قدر کی کہ تم نے اس سے اپنا پیٹ تو بھر لیا اور باقی بچی ہوئی غذا کو تم نے ضائع کر دیا، بیکار ڈال دیا، وہ کسی اللہ کی دوسری مخلوق کے کام نہ آسکی، تو تم نے اس نعمت کی ناقدری کی، اور تم کفرانِ نعمت کی مجرم بنے، لہٰذا تمہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا جواب دینا ہوگا۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لو

دن رات ہمارے دستر خوانوں پر، ہمارے کھانوں پر، ہماری دعوتوں میں، ہوٹلوں میں کھانا بچ جاتا ہے، جو ردی کی ٹوکری کی نظر ہو جاتا ہے، وہ اتنا کھانا ہوتا ہے اگر وہ کھانا بہت سے بھوکوں کو دیا جائے تو اس سے ان کا پیٹ بھر جائے، اور اللہ تعالیٰ کا رزق ان تک پہنچ جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کھانا انگلیوں پر لگ جائے تو اس کو یا تو خود چاٹ لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ایک ایک ذرہ قابل قدر ہے، اس کو ضائع نہ کرو، اس لئے کہ تمہیں نہیں پتہ کہ کھانے کی کون سے حصہ میں برکت ہے، اس لئے کہ بعض اوقات کھانے کے ایک حصہ میں برکت زیادہ ہوتی ہے، اور دوسرے حصہ میں برکت کم ہوتی ہے، اور تمہیں پتہ نہیں ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ جو کھانا تمہاری انگلیوں پر لگا ہوا ہے، اس میں برکت زیادہ ہو، اگر تم نے ان انگلیوں کو نہیں چاٹا، بلکہ جا کر پانی سے ہاتھ دھو لئے، یا ٹیشو پیپر سے صاف کرلیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے وہ برکت ضائع کردی، اس لئے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹیں، اور دوسروں کا چاٹنے کا حکم دیا۔

بچے ہوئے کھانے کو ضائع مت کرو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم کسی وجہ سے خود نہیں چاٹ سکتے تو اپنے کسی پالتو جانور کو چٹا دو۔ مثلاً بلی کو طوطے کو چٹادو۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کا ایک ایک ذرہ قابل قدر ہے، وہ ضائع اور برباد نہیں ہونا

چاہیے، لہٰذا اول تو پلیٹ میں اتنا نکالے جتنا وہ خود کھا سکے، بچے ہی نہیں، اگر مزید ضرورت ہو تو دوبارہ نکال لے، اور اگر کچھ بچ جائے تو اللہ کی کسی مخلوق کے حوالے کردیں، یہ نعمت کی قدر ہے، لہٰذا یہ جو فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اس میں یہ حصہ بھی داخل ہے۔

فضول خرچی سے بچو، یہانتک کہ وضو کے پانی میں بھی

اسی لئے حدیث شریف میں ''اسراف'' سے منع کیا گیا ہے ''اسراف'' کے معنی ہیں ''فضول خرچی'' اس لئے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور اس نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ یا تو اس سے خود فائدہ اٹھاؤ، یا اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ، اس نعمت کو بیکار ضائع مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ وضو کرتے وقت پانی بقدر ضرورت استعمال کرو، یہ نہ ہو کہ پانی بے دریغ بہہ رہا ہو، اور وضو کیلئے جتنے پانی کی ضرورت تھی، آپ نے اس سے زیادہ پانی بہا کر ضائع کردیا۔ یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو میں فضول خرچی سے بچو، اور زیادہ پانی استعمال کرنے سے بچو، چاہے تم کسی دریا کے کنارے وضو کر رہے ہو۔ یعنی دریا کے کنارے وضو کرنے کی صورت میں اگرچہ پانی کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، اس لئے کہ بڑی مقدار میں پانی موجود ہے، لیکن اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ اس موقع پر بھی اسراف سے بچو اور اتنا ہی پانی استعمال کرو، جتنے پانی کی واقعی ضرورت ہو، اس سے زیادہ پانی خرچ مت کرو۔

تاکہ فضول خرچی کی عادت نہ پڑے

ایسا کیوں کرو؟ اس کی دو وجہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وافر مقدار میں پانی موجود ہے، اور اگر کثرت سے استعمال کرو گے تو پانی میں کمی واقع نہیں ہوگی، لیکن اگر تم نے ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی، اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کرنا گناہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ دریا کے کنارے وضو کرتے ہوئے بے تحاشا پانی استعمال کرے گا تو اس کو فضول خرچی کی عادت پڑ جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہاں پانی کم ہوگا وہاں پر بھی بے تحاشا پانی استعمال کرے گا، اس لئے عادت درست کرانا مقصود ہے کہ جب دریا کے کنارے وضو کرو تب بھی اسراف مت کرو۔

اعتدال کا راستہ اختیار کرو

دنیا کی ہر نعمت استعمال کرتے وقت یہی اصول سامنے ہونا چاہئے کہ جو بھی نعمت ہو، اس کو فضول ضائع مت کرو، قرآن کریم میں نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذَالِکَ قَوَامًا (الفرقان : ٦٧)

کہ نیک بندے وہ ہیں کہ جب وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اس میں فضول خرچی کرتے ہیں، اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان

اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسا بھی نہ ہو کہ آدمی کنجوس ہو جائے، اس کے بیوی بچوں کو ضرورت ہے، لیکن پیسے بچانے کی خاطر ان کی ضرورت پوری نہیں کر رہا ہے، یہ کنجوسی اور بخل ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ دوسرے یہ کہ ''اسراف'' کرنا، یعنی ایسی جگہ خرچ کر رہا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں، نہ دنیا میں اس کا کوئی فائدہ ہے، نہ آخرت میں اس کا کوئی فائدہ ہے، ایسی جگہ پر خرچ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

ایک آنہ کی تلاش

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے بھائی جناب ذکی کیفی مرحوم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، راستے میں بھائی صاحب کی جیب سے ایک آنہ گر گیا، اس زمانے میں آنہ چلا کرتا تھا، اور راستے میں اندھیرا تھا، انہوں نے سوچا کہ اس اندھیرے میں ایک آنہ کہاں تلاش کروں، چنانچہ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، لیکن والد صاحب سمجھ گئے کہ کوئی چیز گری ہے، اس لئے پوچھا کہ کیا گرا ہے؟ بھائی جان نے بتایا کہ میرا ایک آنہ گر گیا ہے، فرمایا کہ پہلے اس کو تلاش کرو، بھائی جان نے کہا کہ صرف ایک آنہ ہی تو ہے، اور اندھیرا بھی ہے، اس اندھیرے میں اس کو کیا تلاش کرنا، والد صاحب نے فرمایا: نہیں، ایک آنہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اس کو اس طرح چھوڑ دینا، اور تھوڑا بہت تلاش نہ کرنا یہ اس نعمت کی ناشکری ہے، لہٰذا تھوڑا بہت تلاش کر کے دیکھو، اگر مل جائے تو ٹھیک، ورنہ چھوڑ دو، اس لئے کہ اس طرح بغیر تلاش کئے آگے گزر جانا یہ عملاً اس

نعمت کی تحقیر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کسی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کی بھی تحقیر نہیں کرنی چاہیے، اس کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

یہ دودھ کسی بلی کو پلا دیا ہوتا

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس اللہ سرہ سے سنا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار تھے، اور بستر پر لیٹے ہوئے تھے، ایک صاحب حضرت کے لئے دودھ لے کر آئے، حضرت والا نے دودھ پیا، لیکن پورا دودھ نہیں پی سکے، تھوڑا سا دودھ بچ گیا، جو صاحب لے کر آئے تھے انہوں نے وہ بچا ہوا دودھ نالی میں پھینک دیا، حضرت دیکھ کر چونک پڑے، اور فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ یہ تھوڑا سا تھا، میں نے گرا دیا، آپ نے فرمایا کہ تم نے بہت بڑی زیادتی کی، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی، اس کو اس طرح نہیں گرانا چاہیے تھا، یہ دودھ کسی بلی کو پلا دیا ہوتا، کسی طوطے کو پلا دیا ہوتا، اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس طرح ضائع کرنا اس کی ناقدری ہے، دیکھئے، اس وقت جب کہ آپ بیمار ہیں اور مرض الوفات میں ہیں، اس وقت اتنی چھوٹی سی نعمت کی ناقدری بھی گوارہ نہیں کی۔

نعمت کی تھوڑی مقدار کی بھی قدر کرو

اور ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، ان کی تھوڑی مقدار کی بھی قدر کرو، یہ نہ ہو کہ

اگر زیادہ مقدار میں ہے تو قدر کر لی، اور تھوڑی مقدار کی صورت میں قدر نہیں کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اس کے ہر ہر جز کی قدر کرنی چاہیے۔

کھانا سامنے آنے پر دعا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، جو بات آپ فرماتے تھے، وہ وحی کی حکمتوں پر مبنی ہوتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کھانا سامنے آتا، اور ابھی کھانا شروع نہیں کیا، اس وقت یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ بِمَا رَزَقْتَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَ لَا قُوَّةٍ

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ رزق عطا فرمایا، اس کے حاصل کرنے میں میری طاقت اور قوت کو کوئی دخل نہیں، آپ نے اپنی فضل وکرم سے مجھے رزق عطا فرمایا ہے۔ پہلے ہی قدم پر اعتراف کر لیا۔

کھانا شروع کرتے وقت دعا

جب کھانا شروع کرتے تو ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم '' پڑھتے، یا ''بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی بَرَکَةِ اللّٰه '' پڑھتے، یعنی میں اللہ کے نام پر کھانا کھا رہا ہوں۔ اور جب کھانا ختم فرماتے تو یہ دعا پڑھتے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ '' اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں کھانا کھلایا، ہمیں پانی پلایا، اور ہمیں مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائی۔

دسترخوان اٹھاتے وقت کی دعا

اور جب دسترخوان اٹھایا جاتا، اور باقی بچا ہوا کھانا واپس جارہا ہوتا تو اس وقت آپ یہ دعا پڑھتے:

غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ يَا رَبَّنَا

یہ عجیب وغریب الفاظ تلقین فرمائے۔ دیکھئے انسان کی نفسیات یہ ہے کہ جس وقت وہ کھانا شروع کررہا ہوتا ہے، اور بھوک لگی ہوتی ہے تو اس وقت کھانے کی طرف رغبت ہوتی ہے، چنانچہ وہ بڑے رغبت اور اشتیاق سے کھانے کی طرف لپکتا ہے، اور کھانا شروع کردیتا ہے، لیکن جب کھانا کھاچکا، اور پیٹ بھر گیا، تو وہی کھانا جس کی طرف بڑے اشتیاق کے ساتھ لپک کر گیا تھا، جس کی طرف بڑی رغبت کا اظہار کیا تھا، اب پیٹ بھرنے کے بعد اس کھانے سے نفرت معلوم ہونے لگتی ہے، اور اس سے کہا جائے کہ ایک نوالہ اور کھالو، تو وہ منع کردیتا ہے، اور اس طرح کھانے سے انکار کرتا ہے جیسے وہ کوئی قابل نفرت چیز ہے، اور کھانے سے اور اللہ کے رزق سے نفرت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے، اس لئے اس وقت کے لئے آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ "غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ يَا رَبَّنَا" اے اللہ! یہ کھانا ہم واپس تو کررہے ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ضرورت تو ہے، اور آئندہ بھی ضرورت رہے گی، اور نہ اس لئے واپس کررہے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے اس کو واپس کررہے ہیں، بلکہ جب دوبارہ ہم کو بھوک لگے گی تو دوبارہ اس کی حاجت اور ضرورت ہوگی، اور نہ ہم اس سے بے نیاز

ہوکر واپس کر رہے ہیں، ہماری اپنی کمزوری ہے کہ جتنا کھانا تھا، اس کے کھانے کے بعد مزید کھانے کی گنجائش نہیں رہی، اس واسطے ہم اس کو واپس کر رہے ہیں۔

ذرا اس طرح کھانا کھا کر دیکھو

ذرا اس طرح کھانا کھا کر دیکھو کہ جب کھانا سامنے آئے تو اللہ کا شکر ادا کرو، اور کہو کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے یہ کھانا عطا فرمایا، میری قوت بازو کی وجہ سے نہیں، بلکہ آپ کے فضل و کرم سے کھانا حاصل ہوا، پھر جب کھانا شروع کرو تو کہو یا اللہ! آپ کا نام لے کر میں اس کو کھاتا ہوں۔ جب کھانا کھا چکو تو اللہ کا شکر ادا کرو، اور کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" اور جب دستر خوان اٹھے تو کہو "غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ یَا رَبَّنَا" اے اللہ! ہم ناقدری کی وجہ سے، ناشکری کی وجہ سے، اور بے نیاز ہو کر اس کھانے کو واپس نہیں کر رہے، ہمیں ہر وقت اس کی حاجت رہے گی، لیکن صرف اس وقت ہم اس کو سامنے سے دور کر رہے ہیں۔ اس کے ذریعہ یہ تلقین فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بھی لمحہ میں تمہارے کسی انداز و ادا سے، تمہارے کسی طرز عمل سے اللہ جل شانہ کی نعمت کی ناقدری ہو جائے۔

ہم سب اس سوال کی تیاری کرلیں

بہر حال! ہر شخص کو اس دنیا سے جانا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، ہر شخص کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ پہلے سے باخبر کر رہے ہیں کہ

تم سے قیامت کے روز ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا جو نعمتیں ہم نے تمہیں دی تھیں، پہلا سوال یہ ہوگا کہ تم سے ان نعمتوں کی کیا قدر کی؟ اس نعمت کو ضائع تو نہیں کر دیا؟ اس نعمت کو بیکار تو نہیں ڈال دیا؟ آج ہم سب اس سوال کی تیاری کرلیں، اور اگر اب تک ہم سے اس بارے میں جو غفلت ہوئی ہے تو آج یہ طے کرلیں کہ انشاء اللہ آئندہ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کی ناقدری نہیں کریں گے، اور ناشکری نہیں کریں گے، اور اس نعمت کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی کوشش کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

عمر اور جوانی کے بارے میں سوال ہوگا

تفسیر سورۂ تکاثر (٦)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

تاریخ خطاب : ۱۰ر جون ۲۰۱۱ء

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عمر اور جوانی کے بارے میں سوال ہوگا

(سورۂ تکاثر : ۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ • بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ • اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ • حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ • کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ • ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ • کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ • لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ • ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ • ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ • اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ التکاثر ہے، جس کا بیان گذشتہ کئی جمعوں سے چل رہا ہے، اور اس سورۃ کی جو آخری آیت ہے، اس پر دو تین بیانات ہو چکے ہیں، وہ آیت یہ ہے کہ ''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ '' یعنی جب قیامت کا دن آئے گا تو تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عطا فرمائی ہیں، ان نعمتوں کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی، یہ جملہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں ارشاد فرمایا۔

امتحانی پرچہ آؤٹ کر دیا گیا

اب سوال یہ ہے کہ کیا پوچھا جائے گا؟ اس کے بارے میں ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اور یہ ایک غیر معمولی بات ہے کہ یہ ساری زندگی دار الامتحان ہے، ہم لوگ اپنی زندگی میں امتحان سے گزر رہے ہیں، اور اس امتحان کی انتہا آخرت میں اور میدان حشر میں ہوگی، اور اس وقت کچھ سوالات کئے جائیں گے، یہ ایسا امتحان ہے جس کی سوالات اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بتا دیے ہیں۔ دنیاوی امتحانات میں سوالات پہلے سے نہیں بتائے جاتے، اگر طلبہ کو پہلے سے پتہ چل جائے کہ فلاں فلاں سوالات آنے والے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ پرچہ آؤٹ ہو گیا ہے، لہٰذا اس کو کینسل کیا جاتا ہے، اور اب دوبارہ امتحان ہوگا۔ لیکن میدان حشر میں اللہ تعالیٰ جو امتحان لینے والے ہیں، اس کا پرچہ آؤٹ کر دیا ہے، اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ قیامت کے روز تم سے کیا کیا سوالات کئے جائیں گے۔

قیامت کے روز پانچ سوالات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس کی تفصیل بیان فرمائی، یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، اور تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت ابو برزۃ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لا تزول قدما بنی آدم یوم القیامة من عند ربه حتی یسئل عن خمس

قیامت کے دن آدم کے بیٹوں کا میدان حشر میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے گا جب تک ان سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہیں کرلیا جائے گا، وہ پانچ چیزیں کیا ہیں؟ اس کے بارے میں فرمایا:

(۱) عن عمره فیما افناه (۲) عن شبابه فیما ابلاه (۳) و عن ماله من این اکتسبه (۴) و فیم انفقه (۵) و ماذا عمل فیما علم

(ترمذی، صفة القیامة، باب نمبر ایك)

ایک تو اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کو کس چیز میں خرچ کیا؟ اور دوسرا سوال اس کی جوانی کے بارے میں ہوگا کہ اس جوانی کو اس نے کس چیز میں پرانا کیا؟ اور تیسرا سوال مال کے بارے میں ہوگا کہ اس نے وہ مال کہاں سے کمایا؟ چوتھا سوال یہ ہوگا وہ مال کہاں خرچ کیا؟ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ اس کو جو علم حاصل ہوا تھا، اس نے اس علم پر کتنا عمل کیا؟

یہ زندگی یہ عمر یہ پورا وجود اللہ کی عطا ہے

پہلا سوال یہ ہوگا کہ ہم نے تمہیں اتنی عمر دی تھی، اس عمر کو تم نے کس چیز میں فنا کیا؟ اور کس چیز میں ختم کیا؟ یہ عمر اور یہ زندگی جو ہمیں اور آپ کو ملی ہوئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، یہ اس کا کرم ہے، ہم نے نہیں کہا تھا کہ ہمیں یہ عمر دیدو، ہم نے نہیں کہا تھا کہ ہمیں یہ زندگی دیدو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ زندگی اور یہ صحت عطا فرمائی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، سر سے لے کر پاؤں تک ہمارا پورا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خزانہ ہے، آنکھ ایک نعمت ہے، کان ایک نعمت ہے، زبان ایک نعمت ہے، ناک ایک نعمت ہے، دایاں ہاتھ ایک نعمت ہے، بایاں ہاتھ ایک نعمت ہے، اور ایک ایک نعمت میں بے شمار نعمتوں کے خزانے پوشیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سے قیامت کے روز یہ سوال کریں گے کہ ان نعمتوں کو تم نے کس چیز میں خرچ کیا؟

ایک لمحہ میں جنت کے خزانے اکٹھے کر لے

جب تک انسان جوان نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ مکلف نہیں ہوتا، مثلاً ایک بچہ ہے، اس کے اوپر کوئی احکام وارد نہیں ہوتے، لیکن جب آدمی بالغ ہو جاتا ہے تو اس کے بعد انسان کو بے شمار احکام دیے گئے ہیں کہ یہ تمہارے ذمے فرائض ہیں، یہ تمہارے ذمے واجبات ہیں، یہ کام تمہارے لئے جائز ہیں، اور یہ کام تمہارے لئے ناجائز ہیں، یہ کام حلال ہیں، اور یہ کام حرام ہیں، اس کے مطابق انسان کو زندگی گزارنی ہے، زندگی کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی ہے، آدمی اگر چاہے تو

ایک لحہ میں اپنے لئے جنت کے خزانے اکٹھے کر لے، ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' زبان سے کہہ دیا، میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے ''الحمدللہ'' ایک مرتبہ کہہ دیا تو اس سے اللہ تعالیٰ میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر دیتے ہیں، ایک مرتبہ ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کہہ دیا، جو ایک لحہ میں زبان سے ادا ہوجاتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا ''کنز من کنوز الجنۃ'' یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، اگر آدمی چاہے تو ایک ایک لحہ میں اپنے لئے جنت کے خزانے اکٹھے کر لے۔

اس وقت حسرت بے فائدہ ہوگی

بہر حال! یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت ہے، اگر آدمی اس کو فضول ضائع کر دے اور کسی کام میں نہ لگائے، نہ دنیا کے کام میں، نہ آخرت کے کام میں، سستی میں، کاہلی میں، لاپرواہی میں، غفلت میں اگر یہ عمر ضائع کردی تو پھر تمہارے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہوگا، حسرت اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی، اور عذاب کا منظر سامنے ہوگا، اس وقت حسرت ہوگی، اور اللہ تعالیٰ سے کہیں گے اے اللہ! ایک مرتبہ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے، اب ہماری سمجھ میں آ گیا، اب ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے، اب ہم نیک کام کریں گے، پہلے جیسے کام نہیں کریں گے۔ یہ وعدہ اور درخواست اس وقت اللہ تعالیٰ سے کریں گے، جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ

(الفاطر : ۳۷)

اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم تمہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیں، ارے ہم نے تو تمہیں اتنی لمبی عمر دی تھی کہ اگر کوئی اس عمر میں نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کرسکتا تھا، تمہیں جوانی دی، تمہیں اڈھیڑ عمر دی، تمہیں صحت کے لمحات عطا کئے، بڑھاپا بھی آ گیا، اگر کسی کو نصیحت حاصل کرنی ہوتی تو اس کو حاصل کرنے کے لئے یہ عمر بہت کافی تھی۔

''نذیر'' سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

''وجاء کم النذیر '' اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آیا تھا، یعنی ایسا نہیں کہ ہم نے تمہیں ٹوکا نہ ہو، ہم نے تمہیں خبردار نہ کیا ہو، ہم نے تمہیں آگاہ نہ کیا ہو کہ اس عمر کے لمحات کو اس طرح ضائع مت کرو، ایک وقت آنے والا ہے جب تمہیں اس کا حساب دینا ہوگا، تمہارے پاس آگاہ کرنے والا بھی آیا تھا، وہ کون تھا؟ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، آپ کو ہم نے اس لئے بھیجا تھا کہ تمہیں خواب غفلت سے بیدار کریں، اور تمہاری عمر کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کے لئے تمہیں تعلیمات دیں، وہ بھی تشریف لے آئے۔

انبیاء کے وارثین بھی ''نذیر'' ہیں

قرآن کریم نے ایک لفظ استعمال کیا ''نذیر'' یعنی خبردار کرنے والا۔ اس سے مراد دوسرے انبیاء اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں، اور انبیاء کرام کے وارثین جو ان کے جانے کے بعد ان کا پیغام دنیا میں پھیلاتے ہیں، ان

کی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، جو اپنی تحریر کے ذریعہ، تقریر کے ذریعہ، وعظ و نصیحت کے ذریعہ تمہیں ہمارا یہ پیغام پہنچاتے رہے کہ عمر کے ان لمحات کو ضائع مت کرو، اس کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرو۔

سفید بال ''نذیر'' ہیں

اس کے علاوہ مفسرین اور بعض صحابہ اور تابعین سے یہ بھی منقول ہے کہ آگاہ کرنے والے سے مراد ''سفید بال'' ہیں، اس لئے کہ یہ سفید بال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہ کرنے کا ایک راستہ ہے کہ دیکھو، منزل قریب آرہی ہے، اب تک جتنی زندگی گزارنی تھی، گزار لی، اب تمہارا وقت قریب آرہا ہے، اپنے آپ کو درست کرلو، اور اس دن کے لئے تیار ہو جاؤ۔

پوتا انسان کے لئے ''نذیر'' ہے

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب اولاد کی اولاد پیدا ہو جائے، یعنی پوتا پیدا ہو جائے، یہ پوتا ''نذیر'' ہے، وہ پوتا آگاہ کرنے والا ہے کہ دیکھو اب تمہارا زمانہ گزر گیا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب پوتا آجاتا ہے تو وہ زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ بڑے میاں! ہم آگئے ہیں، ہمارے لئے جگہ خالی کرو، یہ پوتا بھی آگاہ کرنے والا ہے کہ تمہارا وقت قریب آنے والا ہے، تو ہم اتنے آگاہ کرنے والے بار بار تمہارے پاس بھیجتے رہے۔

ایک صاحب کی ملک الموت سے ملاقات

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب کی ملک الموت سے ملاقات

ہوگئی، یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، ان صاحب نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے یہ شکوہ کیا کہ حضرت! آپ بھی عجیب وغریب مخلوق ہیں کہ آپ جب چاہتے ہیں بغیر کسی نوٹس کے آدھمکتے ہیں، دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی جگہ سے ہٹانا ہو، معزول کرنا ہو، تو پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجا جاتا ہے کہ تم اس جگہ کو خالی کرو، لیکن آپ تو بغیر نوٹس کے جب چاہتے ہیں، آجاتے ہیں، اور روح قبض کر کے چلے جاتے ہیں۔

میں بے شمار نوٹس بھیجتا رہتا ہوں

جواب میں حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ارے بھائی! تم کہتے ہو کہ میں نوٹس نہیں بھیجتا، میں جتنے نوٹس بھیجتا ہوں اتنے نوٹس تو دنیا میں کوئی بھی نہیں بھیجتا ہوگا۔ جب تمہیں بخار آتا ہے تو یہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہیں جب کوئی بیماری آتی ہے تو یہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہارے سفید بال آتے ہیں تو وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہاری اولاد کی اولاد پیدا ہوتی ہے، تو وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، میں یہ سب نوٹس بھیجتا رہتا ہوں، لیکن میں کیا کروں کہ میرے ان نوٹسوں کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیتا، کوئی اس کی طرف دھیان نہیں کرتا۔

دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں :

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ

(الفاطر : ۳۷)

کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ نصیحت حاصل کر لیتا، اور اس کے علاوہ ڈرانے والے، آگاہ کرنے والے، اور خبردار کرنے والے، بے شمار نذیر تمہارے پاس آتے رہے، انبیاء علیہم السلام تمہارے پاس آئے، انبیاء کے وارثین صحابہ کرام نے تمہیں آگاہ کیا، اولیاء کرام آئے، بزرگان دین آئے، علماء کرام آئے، انہوں نے اپنے وعظ، اپنی تحریر اور تقریر کے ذریعہ تمہیں آگاہ کیا، اس کے باوجود یہ کہتے ہو کہ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دو تو ہم نیک کام کریں گے، قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر ہم نے تمہیں دوبارہ بھی بھیج دیا تو تم پھر اسی غفلت میں مبتلا ہو جاؤ گے، جس غفلت میں تم نے یہ دن گزارے ہیں۔

دوسرا سوال جوانی کے بارے میں ہوگا

بہر حال! قیامت کے روز پہلا سوال عمر کے بارے میں ہوگا کہ اس عمر کو تم نے کس چیز میں فنا کیا؟ اسی کا ایک خاص حصہ دوسرے سوال میں ہے۔ وہ یہ کہ:

وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ

ہم نے تمہیں جوانی دی تھی، اس جوانی کو تم نے کس چیز میں پرانا کیا؟ یعنی جوانی جاتی رہی، ساری جوانی گزار دی، اور اس جوانی کو تم نے کس چیز میں ختم کیا؟ اس لئے کہ تمہیں عمر دی، صحت دی، فراغت دی، اور جوانی کی قوت کو استعمال کر کے تم آخرت کے لئے عظیم توشہ تیار کر سکتے تھے، لیکن تم نے اس جوانی کو کاہے میں ضائع کیا؟ اگر ہم تم پر کوئی ایسی پریشانی مسلط کر دیتے، ایسے زبردست احکام

دیدیئے ہوتے، جن پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں تھا، تب تو تم کہہ سکتے تھے کہ ہمیں ایسی باتوں کا مکلف کیا گیا، جو ہماری وسعت سے باہر تھا، ہماری طاقت سے باہر تھا۔

طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی

ارے ہم نے قرآن کریم میں بار بار یہ اعلان کیا کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

(البقرة : ٢٨٦)

اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ، اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا ہم نے تمہیں جتنے احکام دیے تھے وہ سب ایسے تھے کہ تم ان پر عمل کرتے ہوئے بڑے آرام کی زندگی گزار سکتے تھے، سارے دن رات میں پانچ وقت کی نماز پڑھنی تھی، رمضان کے روزے رکھنے تھے، سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کرنی تھی، حج کی استطاعت تھی تو حج ادا کرنا تھا، اگر استطاعت نہیں تھی تو حج بھی فرض نہیں تھا، کہا گیا تھا کہ جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، دھوکہ نہ دو، حرام طریقہ سے زندگی مت گزارو، حلال طریقے سے زندگی گزارو، اور اپنی جوانی کو گناہوں سے پاک کرلو۔

نفس وشیطان جوانی میں دھوکہ میں رکھتے ہیں

لیکن جوانی والا یہ کہتا رہا کہ ابھی تو میں جوان ہوں، اور جوانی کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں، نفس اور شیطان انسان کو بہکاتا رہا کہ ابھی تو میں جوان ہوں، جب ذرا ادھیڑ عمر کا ہو جاؤں گا، بوڑھا ہو جاؤں گا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف

متوجہ ہوں گا، پھر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کروں گا۔ نفس و شیطان نے اس غفلت میں ڈالے رکھا ہے، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور احکام کی تعمیل کا صحیح وقت جوانی ہے، بڑھاپے میں جا کر آدمی کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں، وہ کچھ کرنا بھی چاہے تو بسا اوقات نہیں کر سکتا، جوانی کا وقت ایسا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے قوت بھی دی ہے، صحت بھی دی ہے، اس کے اندر جذبات بھی قوی ہیں، اگر کوئی کام کرنا چاہے تو اپنی ہمت سے کر گزرتا ہے، اس وقت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارو، یہی تم سے مطلوب ہے۔

جوانی میں توبہ کرنا پیغمبری کا شیوہ ہے

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبر یست

یعنی بڑھاپے میں تو بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے، جب نہ منہ میں دانت رہے، نہ پیٹ میں آنت رہی تو اب کس طرح کھائے گا؟ اب کسی پر حملہ کرنے کی، اور کسی کو چیر پھاڑ کر کھانے کی طاقت ہی نہیں رہی، اس لئے بھیڑیا بھی بڑھاپے میں پرہیز گار بن جاتا ہے۔ جوانی میں توبہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا یہ پیغمبروں کا شیوہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تقویٰ

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، صحت اور قوت کا اعلیٰ

مقام حاصل ہے، ایک بہت ہی حسین وجمیل اور صاحب حسب ونسب عورت گناہ کی دعوت دے رہی ہے، دروازے بند کر دیے ہیں، دروازوں پر تالے ڈال دیے ہیں لیکن وہ جوان رعنا جواب میں کہتا ہے:

مَعَاذَ اللّٰهِ ، اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ

(یوسف : ۲۳)

اللہ کی پناہ! مجھے تو اپنا پروردگار یاد آرہا ہے جس نے مجھے اتنا بہترین ٹھکانہ دیا، میں تمہاری اس پیش کش کو قبول نہیں کر سکتا، وہ اس کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

گناہوں میں لذت کا دھوکہ ہے

لہٰذا یہ دھوکہ ہے کہ اس وقت جوانی کا زمانہ ہے، بے پرواہی کے عالم میں گزرنے دو، جب بڑھاپا آئے گا تو اس وقت دیکھا جائے گا، اس وقت توبہ کرلیں گے، اور گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں گے۔ ارے کیا پتہ کہ اس کی نوبت آتی ہے یا نہیں، اور اگر وہ وقت آتا ہے تو کیا اس وقت توبہ کی توفیق ہوتی ہے یا نہیں، لہٰذا جوانی کے اندر توبہ کرنا، جوانی کے اندر اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا، یہ تم سے مطلوب ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو جوان اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، زندگی کی لذت بھی انہی کو حاصل ہوتی ہے، اور گناہوں کی زندگی میں جو لذت نظر آرہی ہے، وہ حقیقت میں لذت نہیں، بلکہ لذت کا دھوکہ ہے، جو شیطان لگا دیتا ہے۔

عرش کے سائے میں وہ نوجوان ہوگا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتا رہے ہیں کہ یہ مت سمجھو کہ یہ جوانی کا دور

ہے، اور گزر رہا ہے، گزر نے دو، ارے اس جوانی کے ایک ایک لمحہ کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا کہ اس جوانی کو تم نے کاھے میں پرانا کیا؟ غفلت میں، نادانی میں، گناہوں میں، معصیتوں میں، منکرات میں، فحاشی میں، عریانی میں، اس کا نتیجہ دیکھ لوگے کہ سامنے جہنم کی آگ بھڑک رہی ہے، اور اگر اس جوانی کے اندر تم نے توبہ کرلی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیا، تو پھر یہ وہ جوان ہے جس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ سات آدمی وہ ہوں گے جو حشر کی شدید گرمی کے اندر عرش کے سائے میں ہوں گے، وہ حشر کی گرمی جس میں سورج بھی قریب آجائے گا، اور لوگ اپنے پسینوں میں کندھوں تک ڈوبے ہوئے ہوں گے، اس شدید گرمی میں سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا، ان میں سے ایک نوجوان ہوگا، کون سا جوان؟

شَابٌّ نَشَا فِیْ عِبَادَةِ اللّٰہِ

وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا، بالغ ہونے کے وقت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کی توفیق عطا فرمائی، اس نے جوانی کا حق ادا کیا، اس نے جوانی کو صحیح مصرف میں استعمال کیا، یہ دوسرا سوال ہے جو قیامت کے روز ہر انسان سے کیا جائے گا۔

زندگی کے لمحات کی قدر کرلو

میرے بھائیو، عزیزو اور دوستو! میں پہلے اپنے آپ سے مخاطب ہوں اور پھر آپ حضرات سے کہ زندگی کے یہ لمحات گزرتے جارہے ہیں، تیزی سے گزر

رہے ہیں، ہر لمحہ عمر کے اندر کمی کر رہا ہے، اور کچھ پتہ نہیں کہ زندگی کے یہ لمحات کب ختم ہو جائیں، آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آدمی بیٹھے بیٹھے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، بازار میں چلتے چلتے صحت مند جوان دنیا سے رخصت ہو گیا۔ لہٰذا زندگی کا کچھ پتہ نہیں، زندگی کے جو لمحات اس وقت میسر ہیں، ان کو غنیمت سمجھو، اور غنیمت سمجھ کر ان کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی کوشش کرو، اور وہ صحیح مصرف کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت۔

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے حلال طریقے سے روزی کمانے سے منع نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جائز تفریحات سے نہیں روکا، اللہ تعالیٰ نے تمہاری کوئی جائز ضرورت ختم نہیں کی، لیکن صرف یہ کہا ہے کہ اپنی زندگی کو ان قواعد و ضوابط کا پابند بنالو جو قرآن کریم نے اور احادیث نبوی نے تمہیں بتائے ہیں، بس اتنی سی بات ہے اس کو پلے باندھ کر اپنی زندگی گزارو گے تو انشاء اللہ ان دونوں سوالوں کا صحیح جواب دے سکو گے، وہ یہ کہ ''عن عمرہ فیما افناہ و عن شبابہ فیما ابلاہ'' اس حدیث میں اور مزید سوالات کا بیان بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اگلے جمعوں میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے زندگی کے لمحات کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

کون کونسا مال حرام ہے

تفسیر سورۂ تکاثر (۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	۱۷ رجون ۲۰۱۱ء
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۴

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کون کونسا مال حرام ہے

(سورۂ تکاثر : ۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ• بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ • اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ • حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ • کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ • ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ • کَلَّا لَوْتَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ • لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ • ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ • ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ • آمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ التکاثر ہے، جس کی تفسیر کا بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے، اس کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ'' کہ اس دن یعنی قیامت کے دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تمہیں جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں، ان کو کس طرح استعمال کیا، گذشتہ جمعہ میں میں نے عرض کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کی تفصیل بھی ایک حدیث میں بیان فرمادی ہے کہ وہ کیا سوالات ہوں گے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ دنیا کے اندر جو امتحانات ہوتے ہیں ان میں امتحانات سے پہلے یہ نہیں بتایا جاتا کہ تم سے کیا پوچھا جائے گا، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے سوالات واضح کردیے ہیں، پرچے آؤٹ کر دیے ہیں کہ جو سوالات قیامت کے روز تم سے پوچھے جائیں گے، وہ کیا ہوں گے؟

عمر اور جوانی کے بارے میں سوال

ایک حدیث جو حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ سوالات نہیں کرلئے جائیں گے، ان میں سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ ''عن عمرہ فیما افناہ'' جو عمر ہم نے تمہیں دی تھی، اس عمر کو کس کام میں ختم کیا، اور دوسرا سوال یہ کیا جائے گا کہ ''و عن شبابه فیما ابلاہ'' جو جوانی ہم نے تمہیں دی تھی وہ اس لئے دی تھی کہ

اس جوانی میں تمہارے اعضاء صحیح سلامت ہوتے ہیں، صحت مند ہوتے ہیں، قوت حاصل ہوتی ہے، اس جوانی کو تم نے کس چیز میں پرانا کیا، یعنی جوانی کے اندر کن مشغلوں میں لگے رہے، یہاں تک کہ بڑھاپا آ گیا۔ ان دونوں سوالات کا بیان اور تفصیل پچھلے جمعہ میں عرض کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عمر کے لمحات کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تیسرا اور چوتھا سوال

تیسرا سوال اور چوتھا سوال جو قیامت کے روز ہم سے کیا جائے گا، وہ یہ ہے کہ ''وعن ماله من این اکتسب و این انفقه ''جو مال تمہیں حاصل ہوا وہ مال تم نے کہاں سے کمایا، اور کہاں خرچ کیا؟ گویا کہ مال کا پورا پورا حساب دینا ہوگا، آمد کا بھی اور خرچ کا بھی، کہاں سے آمدنی ہوئی تھی؟ اور کس جگہ پر خرچ کیا تھا؟ دونوں باتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

مال صرف روپے پیسے کا نام نہیں

مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا؟ کہاں سے حاصل کیا؟ حدیث میں مال کا لفظ آیا ہے کہ مال کے بارے میں پوچھا جائے گا تو مال صرف روپے پیسے کا نام نہیں، بلکہ مال کے اندر وہ تمام چیزیں داخل ہیں، جن سے انسان دنیا میں فائدہ اٹھاتا ہے، چاہے وہ روپیہ ہو، پیسہ ہو، نقدی ہو، زیور ہو، سونا ہو، چاندی ہو، گھر کا ساز و سامان ہو، کھانے پینے کی چیزیں ہوں، لباس ہو، گھر ہو، زمین ہو، جائیداد ہو، یہ سب مال کے اندر داخل ہے، یہ مال تم نے کہاں سے کمایا؟

کہاں سے حاصل کیا؟ پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ کیا یہ سب چیزیں تم نے جائز اور حلال طریقے سے حاصل کی تھیں، یا ان کو حاصل کرنے کے لئے تم نے حرام اور ناجائز طریقے اختیار کئے تھے، یہ پوچھا جائے گا، ایک ایک پیسہ جو تم حاصل کر رہے ہو، دنیا کی جو چیز بھی تمہارے استعمال میں آرہی ہے، اس کے بارے میں یہ دیکھ لو کہ آیا یہ چیز تمہارے پاس جائز طریقے پر آئی ہے، یا ناجائز طریقے پر آئی ہے۔

آج کی پریشانی کی بڑی وجہ

اگر کوئی چیز تمہارے پاس ناجائز اور حرام طریقے سے آئی ہے، تو درحقیقت وہ چیز تمہارے لئے فائدہ مند نہیں، بلکہ وہ تمہارے لئے آگ کے انگارے ہیں، آج ہمارے معاشرے میں جو افتاد پڑی ہوئی ہے کہ ہر انسان چاروں طرف سے پریشان ہے، بدامنی ہے، قتل و غارت گری ہے، ظالم حکمران ہم پر مسلط ہیں، اور بجلی نہیں ہے، پانی نہیں ہے، روزگار نہیں ہے، ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مسائل کی ایک جہنم ہے، جس میں یہ ملک سلگ رہا ہے، یہ سب کیوں ہے؟ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی کمائی کے بارے میں حلال و حرام کی فکر چھوڑ دی ہے، ہر شخص اس فکر میں مبتلا ہے کہ کسی نہ کسی طرح مال بٹور لوں، جس طرح بھی ہو، حلال ہو، یا حرام ہو، دھوکہ دیکر ہو، یا رشوت دیکر ہو، بس کسی طرح میرے مال میں فراوانی آجائے، حرام خوری کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، جس میں آج پوری قوم مبتلا ہے۔ العیاذ باللہ۔ حلال و حرام کی فکر اٹھ گئی، اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ جو روپیہ یا جو پیسہ یا جو مال مجھے حاصل ہو رہا ہے، وہ حلال طریقے سے حاصل ہو رہا ہے، یا

حرام طریقے سے حاصل ہو رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے وہ مال حاصل ہو رہا ہے، یا اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے وہ مال حاصل ہو رہا ہے۔

حرام مال آگ کے انگارے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حلال طریقے پر مال حاصل کرنے کے بہت سے راستے عطا فرمائے ہیں، تجارت تمہارے لئے حلال کردی ہے، مزدوری تمہارے لئے حلال کردی ہے، ملازمتیں کر کے کمانا حلال کردیا ہے، غرض جائز طریقے سے مال حاصل کرنے کے بے شمار راستے کھولے ہوئے ہیں، لیکن آدمی ان تمام راستوں کو چھوڑ چھاڑ کر حرام کی طرف بڑھے، رشوت لے کر اپنے مال میں اضافہ کرے، یہ رشوت کا پیسہ جو انسان اپنے گھر میں لایا ہے، وہ پیسہ نہیں ہے، وہ مال نہیں ہے، وہ دولت نہیں ہے، بلکہ وہ آگ کے انگارے ہیں جو وہ اپنے گھر میں لا رہا ہے، یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (النساء : ۱۰)

جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں، وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں، یتیموں کا مال ظلماً کیسے کھاتے ہیں؟ مثلاً کسی شخص کا انتقال ہوگیا، اور اس نے اپنے پیچھے اولاد چھوڑی، ان اولاد میں بعض نابالغ بچے ہیں، وہ یتیم ہیں، ان یتیموں کا میراث میں جو حصہ ہے، بجائے اس حصہ کو محفوظ رکھنے کے، اور بجائے ان یتیموں پر خرچ کرنے کے بڑے بھائی نے اس یتیم کے مال کو خرچ کرنا شروع

کردیا، نہ میراث تقسیم کی، اور نہ یہ معلوم کیا کہ میرا حصہ میراث کے اندر کتنا ہے؟ اور میرے یتیم بھائی کا حصہ کتنا ہے؟ جو بھائی یتیموں کا مال اس طرح کھا رہا ہے، وہ مال نہیں کھا رہا ہے، بلکہ وہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھر رہا ہے، اور پھر آخرت میں اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے باوجود وہ آگ کا ٹکڑا ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بعض اوقات میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو، مثلاً کسی چیز کے بارے میں تنازعہ ہوگیا، ایک شخص نے کہا کہ یہ چیز میری ہے، دوسرے شخص نے کہا کہ یہ چیز میری ہے، آخر میں معاملہ فیصلہ کے لئے عدالت میں جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عدالت کے فیصلے بھی فرمایا کرتے تھے، صحابہ کرام کے درمیان جب بھی اس طرح کا کوئی تنازعہ ہوتا تو صحابہ کرام اس تنازعہ کے حل کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا فیصلہ فرماتے، آپ نے فرمایا کہ: تم لوگ بعض اوقات اپنے جھگڑے لے کر میرے پاس آتے ہو، اور میں بھی ایک انسان ہوں، کوئی فرشتہ نہیں ہوں، اور مافوق الفطرت نہیں ہوں، لہٰذا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک فریق اپنی چرب زبانی سے مجھے متأثر کردیتا ہے، اور اس کی چرب زبانی کے نتیجے میں میرے دل میں یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے، اور اس چیز پر اس کا حق ہے، اور میں اس کے حق میں فیصلہ کردیتا ہوں، حالانکہ درحقیقت حق اس کا نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کبھی ایسا ہو

کہ میں نے اس طرح کا فیصلہ کسی کے حق میں کر دیا ہو، اور حقیقت میں وہ چیز اس کی نہیں تھی، تو وہ شخص اس چیز کو ہرگز نہ لے، کیونکہ وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

ناحق طریقے سے حاصل ہونے والی چیز آگ ہے

آپ تصور کریں کہ فیصلہ ہو چکا، اور وہ فیصلہ بھی کس نے کیا، سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ یہ چیز فلاں شخص کی ہے، اس فیصلے کے باوجود آپ فرما رہے ہیں کہ اگر واقعۃً وہ چیز اس کی نہیں ہے، اور میں نے اس کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو وہ چیز اس شخص کے لئے آگ کا ٹکڑا ہے، لہٰذا وہ شخص اس چیز کو نہ لے۔ اس کے ذریعہ بتا دیا کہ اس دنیا میں انسان جو چیز بھی ناحق طریقے سے لیتا ہے، چاہے وہ روپیہ ہو، پیسہ ہو، زمین ہو، یا جائیداد ہو، وہ درحقیقت آگ ہے، جس کو وہ اپنے گھر میں لا رہا ہے۔

رشوت کا مال حقیقت میں آگ ہے

ایک آدمی نے رشوت لی، اور وہ یہ سمجھا کہ رشوت لے کر میرے بینک بیلنس میں اضافہ ہو گیا، میری تجوری بھر گئی۔ یہ سراسر دھوکہ ہے، یہ آگ ہے جس کو وہ اپنی تجوری میں بھر رہا ہے، اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ دنیا میں دکھا دیتے ہیں کہ جو شخص حرام طریقے سے مال کماتا ہے، اس کے گھر میں برکت نہیں ہوتی، وہ یہ تو دیکھ لیتا ہے کہ میری گنتی میں اضافہ ہو گیا، میرے پیسوں کی گنتی بڑھ گئی، لیکن ان پیسوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعہ اس کو راحت ملتی، اس کے ذریعہ آرام ملتا، وہ کچھ بھی نہیں ملا، رشوت کے ذریعہ پیسے کما کر لایا، لیکن گھر کے اندر بیماریاں کھڑی ہو

گئیں، جو پیسے کما کر لایا تھا، وہ ہسپتالوں کے نذر ہو گئے، اور جب رشوت کا چکر چل پڑتا ہے تو آدمی ایک جگہ سے رشوت لیتا ہے اور پھر اس کو دس جگہ پر رشوت دینی پڑتی ہے، کیونکہ ماحول ہی ایسا بن گیا ہے کہ کوئی کام بغیر رشوت کے انجام نہیں پاتا، جب اس کو اپنا کام کرانے کی ضرورت پیش آئے گی تو دس جگہ رشوت دینی پڑے گی، اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا ہی کے اندر عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جھوٹا تاجر فاجر بن کر اٹھایا جائے گا

یہ تو ایک رشوت کی بات ہے، اس کے علاوہ دھوکہ دے کر، فریب دے کر، جھوٹ بول کر لوگوں سے پیسہ حاصل کرنا یہ سب حرام ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تاجر جھوٹ بول کر اپنا سامان فروخت کرے وہ قیامت کے دن فاجر بن کر اٹھایا جائے گا، اس لئے کہ وہ جو کمائی کر رہا ہے، وہ حرام طریقے سے کمائی کر رہا ہے۔

دوسرے کا مال خوش دلی کے بغیر حلال نہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا یحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفس منه" یعنی کسی مسلمان کا مال دوسرے کے لئے حلال نہیں ہے، جب تک کہ وہ دوسرے کی خوش دلی سے نہ ہو، اگر خوش دلی سے وہ دوسرے کا مال حاصل کرے تو وہ جائز ہے، لیکن اگر آپ نے دوسرے کا مال حاصل کرنے کے لئے زبردستی کی، اور دباؤ ڈالا، اور ایسا طریقہ اختیار کیا کہ دوسرے کا

دل تو دینے کو نہیں چاہ رہا تھا، لیکن وہ دباؤ میں آکر، اور مجبور ہو کر اپنا مال تمہارے حوالے کر رہا ہے، تو وہ چیز تمہارے لئے حلال نہیں۔

زبردستی قیمت کم کرانا حلال نہیں

فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ جب ہم کوئی چیز خریدنے جاتے ہیں تو خریدار اور بیچنے والے کے درمیان تھوڑی بہت بات چیت ہوتی ہے، بیچنے والا زیادہ قیمت بتاتا ہے، خریدار کہتا ہے کہ کم کردو، تھوڑا بہت بھاؤ تاؤ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن بعض اوقات لوگ بیچنے والے پر اس طرح مسلط ہو جاتے ہیں کہ تمہیں اسی کم قیمت پر یہ چیز دینی ہوگی، وہ بیچارہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں اس قیمت پر نہیں دے سکتا، مگر آپ نے اس پر اتنا اصرار کیا کہ اس کا دل نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے سوچا کہ اس مصیبت کو کس طرح ٹلاؤں، یہ تو میرے سر ہو گیا ہے، چنانچہ دل نہ چاہتے ہوئے اس نے کم قیمت پر وہ چیز آپ کو دیدی، فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ چیز خوش دلی سے اس کے پاس نہیں آئی، اس لئے یہ چیز اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ خریدنا

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اونٹ خریدا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں ایک اوقیہ چاندی میں یہ اونٹ آپ کو فروخت کرتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اوقیہ چاندی میں تو کئی اونٹ آجاتے ہیں، کچھ کم کرو۔ لہٰذا ایک آدھ مرتبہ قیمت کم کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس سے اتنا لپٹ جانا کہ وہ یہ سوچے کہ

کس طرح اس مصیبت سے جان چھڑاؤں، اگر اس نے سستے داموں آپ کو بیچ بھی دیا تو آپ کے لئے وہ چیز اس لئے حلال نہیں کہ اس نے وہ چیز طیب نفس سے اور خوش دلی سے نہیں دی، بلکہ مجبور ہو کر دباؤ میں آکر وہ چیز دیدی، اس لئے آپ کے لئے وہ چیز حلال نہیں۔

دوسرے کے گھر کی چیزوں کا استعمال

اسی طرح کسی شخص پر دباؤ ڈال کر قرضہ مانگنا بھی حلال نہیں، خوشی کے ساتھ جائز ہے۔ اسی طرح آپ کسی دوست کے اور عزیز و اقارب کے گھر گئے، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی کسی چیز کو استعمال کرنا شروع کر دیا، یا اجازت تو اس نے دیدی، لیکن خوش دلی سے اجازت نہیں دی، تو ایسی چیز استعمال کرنا جائز نہیں، بعض لوگ جب دوسرے کے گھر جاتے ہیں تو وہاں ٹیلیفون رکھا ہوا دیکھا، اس کو اٹھایا، اور فون کرنا شروع کر دیا، یہ عمل کسی بھی طرح حلال نہیں، اس لئے کہ وہ فون آپ کا نہیں ہے، کسی اور کا ہے، اس کی اجازت ضروری ہے، اور صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ جب تک خوش دلی سے اجازت نہ دے اس وقت تک اس کا استعمال آپ کے لئے حلال نہیں۔

ہر چیز کا جائزہ لے کر دیکھو

ہر شخص کو اپنی زندگی کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم جو چیز کھا رہے ہیں، یا جو چیز پی رہے ہیں، یا جو چیز پہن رہے ہیں، یا جس سواری پر سوار ہو رہے ہیں، جس مکان میں ہم رہ رہے ہیں، یہ سب نعمتیں آپ نے کس طرح حاصل کیں؟ من ایـن

اکتسب ؟ اگر وہ جائز طریقے سے حاصل کیں ہیں تو الحمدللہ، یہ اللہ کی نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، تھوڑی چیز پر قناعت کرلو، یہ ہزار درجہ بہتر ہے، بنسبت اس کے کہ حرام طریقے سے حاصل کر کے گنتی میں اضافہ کرلو، اور ناجائز اور حرام چیزوں کو اپنے استعمال میں لاؤ، یہ ایسا عمل ہے جس کے نتیجے میں برکت اٹھ جاتی ہے۔

یہ حرام خوری کا عذاب ہے

آج جو ہمارا پورا معاشرہ بے چینیوں کا شکار ہے، بے تابیوں کا شکار ہے، چاروں طرف سے مسائل کے انبار کھڑے ہوئے ہیں، اس کی بہت بڑی وجہ یہ حرام خوری ہے، جس نے پورے معاشرے کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر ہمارے ملک سے حرام خوری ختم ہو جائے، کرپشن ختم ہو جائے، رشوت ختم ہو جائے، بدعنوانی ختم ہو جائے، دھوکہ ختم ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس ملک کو اتنے وسائل عطا فرمائے ہیں کہ یہ ملک خودکفیل ہوسکتا ہے، اس ملک کو دوسرے کی مدد کی حاجت نہیں ہوسکتی، لیکن اس کرپشن، رشوت ستانی اور بدعنوانی کی وجہ سے، حرام خوریوں کی وجہ سے پورا ملک غیروں کے ہاتھوں میں رہن رکھا ہوا ہے۔ اس وجہ سے کہ ہم نے اپنے وسائل کو صحیح استعمال نہیں کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب کچھ دنیا میں تو دیکھ ہی رہے ہو، آخرت میں بھی اس مال کے بارے میں سوال ہوگا، اور پوچھا جائے گا کہ کہاں سے تم نے یہ مال کمایا تھا؟ اسے کس طرح کمایا تھا؟ جب اس کا جواب نہیں دے سکو گے تو جہنم کی آگ تمہارے لئے بھڑک رہی ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی قرآن کریم کی سورۃ التکاثر میں

بیان فرمادی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں بتادی۔

ہر شخص کو اپنے عمل کا جواب دینا ہوگا

آخر میں ایک غلط فہمی اور دور کردوں، وہ یہ کہ بعض اوقات دل میں اس وقت یہ خیال آتا ہے جب خدا کا خوف پیدا ہو جاتا ہے، اور آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے، اپنے کئے پر پچھتاوا آتا ہے تو اس وقت یہ خیال آتا ہے کہ اگر میں نے اکیلے یہ حرام خوری چھوڑ دی، جبکہ پورا معاشرہ اس کے اندر مبتلا ہے، تو معاشرے پر کیا فرق پڑے گا، پورا معاشرہ تو بگڑا ہوا ہے، اور وہ حرام خوری کے اندر ڈوبا ہوا ہے، یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، اگر ہر انسان یہ سوچتا رہے تو معاشرے کی اصلاح نہیں ہو سکتی، مجھے اپنے عمل کا جواب دینا ہے، مجھے اپنی قبر میں سونا ہے، اور مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کو بھگتنا ہے، لہٰذا پہلا کام یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو درست کرلوں، اپنے حالات کی اصلاح کرلوں، اپنے آپ کو حرام سے بچالوں، اگر بچالیا تو کم از کم میں تو عذاب جہنم سے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اور اس کے غضب سے بچ گیا۔

ہر شخص اپنا جائزہ لے

یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب ایک آدمی نیک نیتی کے ساتھ، خلوص دل کے ساتھ، اپنی اصلاح کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت بھی عطا فرماتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں چراغ سے چراغ جلتا ہے، ایک آدمی ٹھیک ہوا، اس کو دیکھ کر دوسرا ٹھیک ہوگا، اس کو دیکھ کر تیسرا ٹھیک ہو جائے

گا، اسی طرح رفتہ رفتہ معاشرے کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر، اپنے حالات کا جائزہ لے کر، اپنی املاک کا جائزہ لے کر یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سی چیز میں نے حلال طریقے سے حاصل کی ہے، اور کون سی چیز حرام طریقے سے حاصل کی ہے۔

اصل مستحق تک وہ چیز پہنچا دو

جو چیز حرام طریقے سے حاصل کی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا اصل مستحق معلوم ہے تو وہ چیز اس تک پہنچانی چاہئے، اور گر اصل مستحق اور مالک معلوم نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دینا چاہئے، انسان کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم
"واذا وعد اخلف"
(صحیح بخاری)
کہ جب وعدہ کرے، تو اس کی خلاف ورزی کرے

مال بچانے کے ناجائز طریقے

تفسیر سورۂ تکاثر (۸)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	۲۴/جون ۲۰۱۱ء
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مال بچانے کے ناجائز طریقے

(سورۃ التکاثر : ۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۔ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

پانچ سوالات کئے جائیں گے

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ سورۂ تکاثر ہے، جس کا بیان پچھلے کئی

جمعوں سے چل رہا ہے، اس کی آخری آیت کے بارے میں کچھ تفصیل کئی جمعوں سے بیان کی جارہی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ثُمَّ لَتُسْـئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ" یعنی قیامت کے دن تم سے نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو نعمتیں پھیلائی ہوئی ہیں، وہ انسان کے فائدے کے لئے پھیلائی ہیں، ان نعمتوں کے بارے میں قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا، کیا پوچھا جائے گا؟ اس کی تشریح کے لئے میں نے ایک حدیث آپ حضرات کو سنائی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی بھی بندہ جنت کی طرف آگے نہیں بڑھ سکے گا، جب تک اس سے پانچ سوالات نہیں کر لئے جائیں گے، وہ سوالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ہمیں بتا دیئے تھے ہیں، تا کہ اس دن کے آنے سے پہلے ہم ان سوالات کی تیاری کر لیں۔

پہلا اور دوسرا سوال

جیسا کہ میں عرض کیا تھا کہ یہ ایک ایسا امتحان ہے کہ اس کے سوالات پہلے سے متعین کر کے بتا دیے گئے ہیں، اس لئے بتا دیے گئے ہیں تا کہ بندے اس وقت کے آنے سے پہلے ان کا جواب تیار کر لیں۔ ایک سوال تو یہ ہوگا کہ ہم نے جو تمہیں عمر اور زندگی دی تھی، وہ تم نے کس چیز میں صرف کی؟ اور دوسرا سوال یہ ہوگا کہ تم نے اس جوانی کو کس چیز میں پرانا کیا؟ ان دونوں کا بیان بقدر ضرورت الحمد للہ گزشتہ جمعوں میں ہو چکا ہے۔ تیسرا اور چوتھا سوال مال کے بارے میں ہوگا کہ یہ مال تم نے کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ پچھلے جمعہ کو میں نے اس کی کچھ تفصیل

عرض کرنی شروع کی تھی، آج اسی کو مکمل کرنا ہے۔

یہ نعمتیں تمہارے لئے ہیں

بتایا یہ گیا ہے کہ یہ مال و دولت، یہ روپیہ پیسہ، یہ ساز و سامان، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کے لئے پیدا کیا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرة: ۲۹)

"یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں" لیکن ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کے کچھ قاعدے اور کچھ ضابطے ہیں، کچھ اصول اور احکام ہیں، ان احکام کے مطابق تم ان سے فائدہ اٹھاؤ تو یہ کائنات تمہاری ہے، اس کائنات میں پھیلی ہوئی نعمتیں تمہاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سب کچھ جائز قرار دیا ہے، لیکن ان قاعدوں سے ہٹ کر، اور بے قاعدہ طریقے پر، اور ناجائز طریقے پر اگر تم ان چیزوں کو حاصل کرو گے تو یہ تمہارے لئے آگ کے انگارے ہیں۔

حلال میں برکت ہے، حرام میں نہیں

حاصل یہ ہے کہ ہر انسان کو آج ہی یہ سوچنا چاہیے، قبل اس کے کہ آخرت میں اس سے سوال کیا جائے کہ جو پیسہ میں کما رہا ہوں، وہ میری کمائی حلال ہے یا حرام ہے؟ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ قاعدے کے مطابق ہے، یا قاعدے کے خلاف ہے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء: ۲۹)

''اے ایمان والو! تم اپنے مالوں کو باطل اور نا جائز طریقے سے مت کھاؤ'' بلکہ جائز اور حلال طریقے سے حاصل کرو، اگر وہ حلال تھوڑا بھی ہوگا تو تمہارے لئے اس میں برکت ہوگی، دنیا میں بھی برکت ہوگی، اور آخرت میں بھی برکت ہوگی، اور اگر حرام طریقے سے، اور نا جائز اور باطل طریقے سے دولت حاصل کرلی تو وہ دولت نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں وہ جہنم کے انگارے ہیں، جو تم اپنے دامن میں بھر رہے ہو۔

رشوت لینے کو حرام سمجھا جاتا ہے

مال حاصل کرنے کے کچھ طریقے تو ایسے ہیں جن کو ہر مسلمان، بلکہ ہر انسان نا جائز اور حرام سمجھتا ہے، مثلاً چوری کے ذریعے مال حاصل کرنے کو آج تک کسی نے جائز نہیں کہا، ڈاکہ ڈال کر مال حاصل کرنے کو آج تک کسی نے حلال نہیں کہا، رشوت لینے کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن اللہ بچائے۔ آج ہمارے معاشرے میں رشوت کا بازار گرم ہے، جبکہ اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلرَّاشِيْ وَ الْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ

''رشوت لینے والا، اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے'' اس ارشاد نبوی کے باوجود آج رشوت کا بازار گرم ہے، اور رشوت کو شیر مادر سمجھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عقل اور سمجھ عطا فرمائے کہ یہ رشوت کا پیسہ جو ہم لے رہے ہیں، یہ

وبال ہے۔ لیکن پھر بھی اس رشوت کو حرام سمجھا جاتا ہے، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی خدا کا خوف ہے، وہ اس سے بچتا ہے۔

مال حاصل کرنے کے حرام طریقے

لیکن مال حاصل کرنے کے کچھ حرام طریقے ایسے ہیں جو ہمارے معاشرے میں سرایت کر گئے ہیں، اور ان کو لوگ حرام اور ناجائز ہی نہیں سمجھتے، اچھے خاصے پڑھے لکھے، دیندار، نمازوں کے پابند، جماعتوں کے پابند، صف اول میں حاضر ہونے والے بھی اسی غفلت میں مبتلا ہیں، اور وہ بھی ان طریقوں کو ناجائز نہیں سمجھتے، اور اسکی وجہ سے ان کے گھر میں حرام آمدنی آرہی ہے، اور اس پر ان کو تنبیہ بھی نہیں ہے۔

اس وقت کی تنخواہ حلال نہیں

مثلاً ایک شخص کہیں ملازم ہے تو گویا کہ اس نے یہ معاہدہ کیا ہے کہ ملازمت کے اوقات پورے طور پر کام میں لگاؤں گا، اب اس کے ذمہ لازم ہے کہ پورے اوقات اس کام میں صرف کرے، مثلاً آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے تو وہ پورے آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی انجام دے، اگر وہ ملازم ڈیوٹی پوری نہیں دیتا، بلکہ وہ غیر حاضر رہتا ہے، یا اپنے ذاتی کام میں مشغول ہوتا ہے تو جتنا وقت اس نے اپنے ذاتی کام میں صرف کیا، اس وقت کی تنخواہ اس کے لئے حلال نہیں، مثلاً اس نے آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دینے کے بجائے چھ گھنٹے کی ڈیوٹی دی تو دو گھنٹے کی تنخواہ لینا اس کے لئے حرام ہے، اور مہینے کے آخر میں جب تنخواہ ملے گی تو اس میں حرام عنصر بھی شامل ہوگا، اور

جب انسان کی کمائی میں حرام چیز شامل ہو جاتی ہے، تو اس کو برباد کر کے چھوڑتی ہے، یہ ایسی چیز ہے جس کی طرف اچھے خاصے دیندار لوگوں کو بھی توجہ نہیں ہے۔

جھوٹی بیماری کی بنیاد پر چھٹی لینا

یا مثلاً آپ کہیں ملازم ہیں، اور آپ نے بلا وجہ بیماری کا جھوٹا سرٹیفکیٹ جمع کرا کر چھٹی لے لی، حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے، لیکن آپ نے کسی ڈاکٹر سے میڈیکل سرٹیفکیٹ لے لیا، اور چھٹی لے لی، تو اس میں گناہ در گناہ ہے، ایک تو جھوٹ بول کر چھٹی لی، اور جھوٹ بولنا حرام ہے، پھر اس چھٹی کی تنخواہ حرام، تیسرے جس ڈاکٹر سے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوایا، اس ڈاکٹر کو جھوٹ میں مبتلا کرنے کا گناہ ہوا، اور عام طور پر کوئی ڈاکٹر ایسا سرٹیفکیٹ مفت میں پیسے لئے بغیر نہیں بناتا، لہٰذا رشوت لینے اور دینے کا گناہ ہوا، اس طرح ایک عمل میں کتنے سارے گناہ جمع ہو گئے، اور پھر مہینے کے آخر میں گھر میں تنخواہ آرہی ہے، اس تنخواہ کا وہ حصہ جو اس بیماری کی چھٹی کے ایام سے متعلق تھا، وہ حصہ حرام ہو گیا، یہ ایسا عمل ہے جس میں اچھے خاصے دیندار پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلا ہیں۔

ادارہ کی طرف سے علاج کی سہولت کرنا

اسی طرح اگر کسی جگہ پر آپ کوئی ایسی سہولت مفت حاصل کر لیتے ہیں، جس کا آپ کو حق نہیں تھا، تو وہ سہولت جو آپ نے مفت حاصل کی ہے، وہ سہولت آپ کے لئے حرام ہے، مثلاً آج کل یہ وبا عام ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں، یا کسی خاص محکموں کی ملازمتوں میں ملازم کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ اگر وہ خود یا اس کے گھر کا کوئی

فرد بیمار ہو جائے تو وہ ملازم اس کا علاج ہسپتال سے کرا سکتا ہے، یا اگر دوائیں خریدی ہیں تو ان دواؤں کے پیسے اس محکمہ سے وصول کر سکتا ہے، ان دواؤں کا بل پیش کرنا پڑتا ہے، اور اسے پیسے مل جاتے ہیں، یہ ایک سہولت ہے جو محکمہ کی طرف سے اسے دی گئی ہے، اگر واقعۃً وہ ملازم خود بیمار ہے، یا اس کے گھر والے بیمار ہیں، ان کے لئے دوا خریدی ہے، تو اس سہولت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

دوسروں کی بیماری کے اخراجات ادارہ سے دلوانا حرام ہے

لیکن آج کل لوگ یہ کرتے ہیں کہ جب کسی مہینے میں کوئی بیماری نہیں ہوئی، تو اس ملازم نے دوائی کے جھوٹے بل بنوا لئے، اور ان بلوں کی بنیاد پر محکمہ سے پیسے حاصل کر لئے۔ یا اپنا کوئی دوست یا عزیز تھا، وہ بیمار ہو گیا، آپ نے اس سے کہہ دیا کہ اس مہینے میں ہمارے یہاں تو کوئی بیماری نہیں ہوئی ہے، تمہارے پاس تمہاری بیماری کے اخراجات کے جو بل ہیں، وہ بل مجھے دیدو، میں اپنے محکمہ سے پیسے وصول کر کے تمہیں دیدوں گا۔ اب بظاہر تو آپ اس کے ساتھ ہمدردی کر رہے ہیں کہ تمہاری دوائیں مفت ہو جائیں گی، لیکن چونکہ آپ نے جھوٹ بولا کہ میں بیمار ہو گیا تھا، یا میرے بچے بیمار ہو گئے تھے، اور آپ نے جھوٹے بل داخل کر کے ناجائز طریقے پر وہ رقم حاصل کر کے کسی کو دیدی، یہ عمل بہت خطرناک ہے۔

وہ شخص بدترین ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدترین

ہے وہ شخص جو اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلے میں بیچ دے، یعنی دوسرے شخص کو تم نے دنیا کا کچھ فائدہ تو پہنچا دیا، کچھ پیسے اس کو مل گئے، لیکن اس کے بدلے تم نے اپنی آخرت تباہ کر لی، اور تم نے جھوٹ بول کر، دھوکہ دے کر یہ پیسے حاصل کر کے دوسرے کو دیئے تو گویا کہ اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلے میں بیچ دیا۔ یہ کتنا بڑا سنگین جرم ہے، لیکن آج لوگ اس کے اندر مبتلا ہیں۔

یہ دوسرے کے ساتھ نیکی نہیں، بلکہ گناہ ہے

میں ایک مرتبہ ایک صاحب کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا،، ان صاحب کے گھر میں کچھ بیماری تھی، کوئی اور صاحب بھی عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے، انہوں نے ان صاحب خانہ سے کہا کہ بھائی! اس بیماری پر جتنا خرچہ ہو رہا ہے، اس کے بل تم مجھے دیدو، میں اپنے محکمہ سے پیسے دلوا دوں گا۔ اب بظاہر تو وہ بھلائی کر رہے تھے، اور اس کے ساتھ ایک نیکی کر رہے تھے کہ بیماری میں اس کے پیسے خرچ ہوں گے، میں ان کی مدد کر دوں، لیکن چونکہ وہ دھوکہ کا کام کر رہے تھے، اور حرام اور ناجائز کام کر رہے تھے، اس لئے یہ نیکی نہیں ہے، بلکہ بہت بڑا گناہ اور بہت بڑا جرم ہے کہ آپ نے جھوٹ بول کر، دھوکہ دے کر یہ پیسے ان کو دلا دیئے، لیکن آج معاشرے میں اس فعل کو کوئی شخص بھی برا نہیں سمجھتا، اس لئے کہ یہ عمل سب کر رہے ہیں، تو ہم بھی کر رہے ہیں، اگر سب لوگ جہنم میں جا رہے ہیں تو تم بھی چلے جاؤ، اگر سب لوگ آگ میں داخل ہو رہے ہیں تو تم بھی داخل ہو جاؤ، لیکن یاد رکھئے! یہ فعل حرام ہے، اور آخرت میں تم سے اس کے بارے میں سوال ہوگا کہ تم نے یہ مال

کہاں سے حاصل کیا تھا۔

جہاز میں زائد مقدار کا سامان چارج ادا کئے بغیر لیجانا حرام ہے

یہ وہ چیزیں ہیں کہ جس کی طرف انسان کا دھیان نہیں جاتا، لہٰذا کوئی بھی ایسی سہولت جس کے حاصل کرنے کا انسان کو حق نہیں تھا اگر وہ اس سہولت کو حاصل کرلے، وہ سب حرام اور ناجائز عمل میں داخل ہیں۔ مثلاً ریل اور جہاز میں جب آدمی سفر کرتا ہے تو سامان کی کچھ متعین مقدار ہوتی ہے، جس کو مسافر بغیر معاوضے کے لے جاسکتا ہے، لیکن اگر اس وزن سے زیادہ سامان کوئی مسافر لے جانا چاہے تو اس کے لئے قانوناً کچھ اضافی رقم دینی پڑتی ہے، لیکن آج لوگ اس بات کو بڑا کمال سمجھتے ہیں کہ ہم تو پچاس کلو سامان لے آئے، اور کوئی اضافی رقم بھی ہم نے نہیں دی، اور کسی نے ہم سے پوچھا بھی نہیں، اگرچہ دنیا میں کسی نے تم سے نہیں پوچھا، لیکن ایک دن ایسا آنے والا ہے جس دن تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے استحقاق سے زائد سامان لے کر سفر کیوں کیا، اور اس کی اضافی رقم تم نے کیوں ادا نہیں کی، اور اس عمل کے ذریعہ جو پیسے تم نے بچائے، وہ تمہارے لئے حرام تھے۔

حضرت تھانویؒ کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی سفر پر ریل میں جارہے تھے، اور سامان زیادہ تھا، جو مقررہ حد سے بڑھا ہوا تھا، حضرت والا کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ مقررہ حد سے جو زائد سامان ہوتا، اس کا

باقاعدہ وزن کراکے، پیسے ادا کر کے، پھر ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ متعلقہ کاؤنٹر پر گئے، اور وہاں لائن لگی ہوئی تھی، آپ بھی لائن میں لگ گئے، اتفاق سے اس گاڑی کا گارڈ جو ہندو تھا، وہ حضرت والا کو پہچانتا تھا، اور حضرت کی عزت بھی کرتا تھا، اس گارڈ نے حضرت والا کو دیکھ لیا، اور آکر پوچھا کہ حضرت! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ میرے پاس سامان زیادہ ہے، میں اس سامان کو بک کرانے کے لئے آیا ہوں، تاکہ اس کا کرایہ ادا کردوں، اس نے کہا کہ حضرت! چھوڑیئے بھی، کہاں اس چکر میں پڑے ہوئے ہیں، آیئے، سامان لے کر گاڑی میں سوار ہو جائیں، حضرت نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اگر راستے میں کسی نے پکڑ لیا تو پھر کیا ہوگا؟ گارڈ نے کہا کہ آپ کو کون پکڑے گا، میں خود اس ٹرین کا گارڈ ہوں، اور میں آپ کے ساتھ چلوں گا، حضرت نے پوچھا کہ آپ کہاں تک جائیں گے؟ اس نے کہا کہ میں کانپور تک جاؤں گا، حضرت نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ آگے جانے کے لئے جو دوسرا گارڈ آئے گا، میں اس سے کہہ دوں گا، وہ آپ کو پریشان نہیں کرے گا، حضرت نے پوچھا کہ وہ دوسرا گارڈ کہاں تک جائے گا؟ اس نے کہا کہ وہ گارڈ آگے تک جائے گا، اور اس سے پہلے ہی آپ کی منزل الہ آباد آجائے گی، آپ کو وہ گارڈ الہ آباد اسٹیشن پر اتار دے گا، حضرت والا نے پوچھا کہ الہ آباد اسٹیشن پر جو چیک کرنے والے ہوں گے، ان کو کون جواب دے گا؟ اس نے کہا کہ وہ گارڈ ان سے کہہ دے گا، اور وہ آپ کو چھوڑ دیں گے، آپ نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس گارڈ نے کہا کہ اس کے بعد یہ ہوگا کہ اسٹیشن سے باہر نکل کر آپ تانگے میں بیٹھیں گے، اور اپنی منزل پر پہنچ

جائیں گے۔

گارڈ کو یہ اختیار نہیں

آپ نے فرمایا: نہیں نہیں، اس کے بعد بھی ایک مرحلہ آنے والا ہے، اس گارڈ نے کہا کہ وہ کون سا مرحلہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گا، تو وہاں مجھے کون بچائے گا؟ کیا آپ وہاں مجھے بچالو گے؟ اب وہ گارڈ خاموش ہوگیا، پھر اس نے کہا کہ وہاں کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں وہاں موجود ہوں گا یا نہیں ہوں گا؟ پھر حضرت والا نے اس گارڈ سے فرمایا کہ آپ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ آپ اس طرح لوگوں کو بغیر پیسے لئے چھوڑ دیں، چونکہ آپ کو اختیار نہیں ہے، لہٰذا اگر آپ مجھے اجازت بھی دیدیں گے، تو وہ اجازت آپ کی معتبر نہیں، اور مجھے تو ایک ایک چیز کا حساب اللہ تعالیٰ کے پاس جاکر دینا ہے، اس لئے آپ اپنی مہربانی اپنے پاس رکھیں، میں زائد سامان کا کرایہ دیے بغیر اس سامان کو لے کر نہیں جاؤں گا۔

قیامت کے روز ایک ایک دانے اور ذرے کا حساب ہوگا

بہر حال؛ مال کے بارے میں یہ سوال ہوگا کہ ''من این اکتسب؟ و این انفق؟ '' کہ یہ مال تم نے کہاں سے حاصل کیا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اس کا سوال قیامت کے روز ہونا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں اس سوال کی فکر ختم ہوگئی ہے، چوری ڈاکے اگرچہ لوگ کر رہے ہیں، لیکن اس عمل کو کم از کم برا تو سمجھتے ہیں، لیکن اس قسم کے اعمال کی برائی ہی دلوں سے اٹھ چکی ہے، اور ذہن میں یہ خیال بھی نہیں

آتا کہ ہم یہ کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ ایک ایک دانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب ہوگا :

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ، وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال : ۸،۷)

”یعنی جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا، وہ قیامت کے دن اس کو بھی دیکھ لے گا، اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا، وہ قیامت کے دن اس کو بھی دیکھ لے گا“

بجلی کی چوری اور اس کے نتائج

آج کل بجلی کی چوری ہو رہی ہے، لوگوں نے کنڈے ڈالے ہوئے ہیں، اور اس کو آج کل کوئی چوری نہیں سمجھتا، جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ تو حکومت کا مال ہے، حالانکہ یہ حکومت کا مال نہیں، بلکہ پوری قوم کا مال ہے، اور بے دریغ بجلی کو خرچ کیا جارہا ہے، یہ وبا ہمارے معاشرے میں اس قدر پھیل گئی ہے کہ حرام خوری ہمارے معاشرے کی علامت بنتی جارہی ہے۔ اور یہ جو ہمارے چاروں طرف بدامنی ہے، بے چینی ہے، ظالم حکمران مسلط ہیں، کرپشن کا بازار گرم ہے، کوئی آدمی بھی چین سے نہیں ہے، اس کا بہت بڑا سبب یہ حرام خوری ہے جو ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس سوال کے جواب کی تیاری ابھی سے کرلو

بہرحال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بتادیا ہے کہ تم سے یہ سوال

ہونے والا ہے کہ یہ مال تم نے کہاں سے کمایا تھا؟ اور کہاں خرچ کیا تھا؟ اس کا جواب آج ہی تیار کرلو، اور اپنے آپ کو حرام آمدنی سے بچالو، اور حرام سہولتیں حاصل کرنے سے بچالو، اگر آمدنی تھوڑی ہو، لیکن حلال ہوتو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت ہوتی ہے، اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر آدمی حرام کے ڈھیر جمع کرلے تو وہ آخرکار دنیا کے اندر بھی انسان کے اوپر وبال لے کر آتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَ يُرْبِى الصَّدَقَاتِ (البقرة: ٢٧٦)

''یعنی اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں، اور صدقات کو بڑھاتے ہیں'' لہٰذا ہر انسان کو یہ فکر کرنی چاہیے کہ میرے مال میں کوئی حصہ حرام کا نہ آجائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرمادے، اور ہماری آمدنیوں کو اور ہمارے مال کو مکمل طور سے حلال بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین

"ان الذین یکسبون الاثم سیجزون ما کانوا یقترفون"
(سورۃ الانعام:۱۲۰)

یعنی جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، قیامت کے روز
ان کے ان اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ لوگ یہاں پر کیا کرتے تھے۔

علم پر عمل کے بارے میں سوال ہوگا

تفسیر سورۂ تکاثر (۹)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
تاریخ خطاب	:	۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ء
وقت خطاب	:	قبل از نماز جمعہ
خطبات عثمانی	:	جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم پر عمل کے بارے میں سوال ہوگا

(سورۃ التکاثر : ۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۔ آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز، سورۂ تکاثر کی تفسیر کا بیان کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اس کی جو آخری آیت ہے اس کے بارے میں گفتگو چل رہی تھی، اس آیت

میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت میں تم سے نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا، کیا سوال ہوگا؟ کیا پوچھا جائے گا؟ اس کی کچھ تفصیل میں نے پچھلے بیانات میں عرض کر دی تھی، اس کے دوران میں نے ایک حدیث آپ حضرات کو سنائی تھی کہ جس میں رسول کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ آخرت میں بندے سے کیا سوالات ہوں گے، یہ ساری زندگی ایک امتحان ہے، اور اس کے بعد پھر اسی زندگی کے بارے میں کچھ سوالات ہونے ہیں۔

وہ چار سوالات جن کی تفصیل ہو چکی

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ ایک ایسا امتحان ہے، جس کے سوالات کا پرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آؤٹ کر دیا ہے، تاکہ تم خوب اچھی طرح اس کی تیاری کرلو۔ پہلا سوال یہ ہوگا کہ ہم نے تمہیں اتنی عمر دی تھی، تم نے یہ عمر کس کام میں خرچ کی؟ اوقات زندگی بڑی نعمت ہے، ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، تم نے اس کو کس میں خرچ کیا؟ اور دوسرا سوال یہ ہوگا کہ ہم نے تمہیں جوانی دی تھی، اس جوانی کو تم نے کس چیز میں پرانا کیا؟ جوانی میں انسان کے اندر طاقت ہوتی ہے، قوت ہوتی ہے، عمل کرنے کا جذبہ ہوتا ہے، نشاط ہوتا ہے۔ تیسرا سوال مال کے بارے میں ہوگا کہ یہ مال تم نے کس طرح کمایا؟ چوتھا سوال یہ ہوگا کہ وہ مال کس چیز میں خرچ کیا؟ ان چاروں سوالات کی تفصیل پچھلے بیانات میں عرض کر دی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہماری جو کمائی ہو، وہ حلال ہو، اور جو خرچ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے

مطابق ہو۔

پانچواں سوال علم پر عمل کرنے کے بارے میں ہوگا

آخری سوال یہ ہوگا کہ ہم نے تمہیں جو علم دیا تھا، اس پر تم نے کتنا عمل کیا؟ یہ پانچواں سوال ہے جو قیامت کے روز کیا جائے گا، اس لئے کہ یہ علم بھی عظیم نعمت ہے، اگر علم نہ ہوتو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا، ہر کام کے لئے علم کی ضرورت ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، تم نے اس علم پر کیا عمل کیا؟ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں یہ علم کا سوال علماء سے ہوگا، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم دین عطا فرمایا، ان سے سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں جو علم دیا تھا، اس پر تم نے کیا عمل کیا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے بڑی ذمہ داری علماء کی ہے، جس کا جتنا علم زیادہ ہے، اتنی ہی اس کی ذمہ داری بھی بڑی ہے۔

جہنم میں سب سے پہلے جانے والا شخص ایک عالم ہوگا

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جہنم میں سب سے پہلے جانے والا شخص ایک عالم ہوگا، کیونکہ اس نے جو علم حاصل کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نہیں کیا تھا، بلکہ اس لئے علم حاصل کیا تھا تا کہ میرا نام ہو، میری شہرت ہو، لوگوں میں میری عزت ہو، لوگ میری تعظیم کریں، اس غرض سے علم حاصل کیا تھا، اور اسی غرض سے کام کرتا رہا، اگر کسی کو علم کی بات سکھائی تو اسی نیت سے سکھائی تا کہ میری شہرت ہو جائے، العیاذ باللہ العلی العظیم۔

علماء کی ذمہ داری بہت بڑی ہے

لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، عام مسلمانوں سے زیادہ ہے، ایک عام مسلمان کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ کسی اچھے اور مستند عالم سے رجوع کر کے اسی سے مسئلہ پوچھ لے، وہ عالم مستند ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ کسی کو بھی پکڑ کر اس سے مسئلہ پوچھ لیا۔ بہر حال؛ اگر کسی مستند عالم سے مسئلہ پوچھ لیا، اور اس پر عمل کر لیا، تو عام آدمی کی چھٹی ہوگئی۔ لیکن گردن تو اس عالم کی پکڑی جائے گی جس نے مسئلہ بتایا کہ اس نے مسئلہ صحیح بتایا تھا، یا غلط بتایا تھا، اس لئے علماء کی تو بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

عام مسلمانوں سے انکے علم کے بارے میں سوال ہوگا

لیکن بات صرف علماء دین کی نہیں ہے، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو جتنا علم حاصل ہے، جس طرح کا بھی علم حاصل ہے، اس علم کو صحیح مصرف پر خرچ کرنا یہ اس کی ذمہ داری ہے۔ دیکھئے! دین کا علم لے لیجئے، دین کا علم ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی ہے، کون مسلمان ہے جو یہ نہیں جانتا کہ نماز میرے ذمہ فرض ہے، یہ علم حاصل ہے، تو قیامت کے روز تم سے سوال ہوگا کہ جب تمہیں یہ علم حاصل تھا تو تم نے اس علم پر صحیح طریقے سے عمل کیوں نہیں کیا؟ کون مسلمان ہے جو نہیں جانتا کہ مسجد میں آکر جماعت سے نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، اور قریب قریب واجب ہے، لیکن اس پر عمل نہیں ہے، اس لئے قیامت کے روز اس کے

بارے میں سوال ہوگا، اور اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔

صف اول اور تکبیر تحریمہ کی فضیلت کا علم سب کو ہے

کون مسلمان نہیں جانتا کہ صف اول میں نماز پڑھنا افضل ہے، لیکن کیا واقعۃً اس پر عمل ہو رہا ہے؟ کیا واقعۃً صف اول کا اہتمام کرتے ہیں؟ کیا اس کا اہتمام ہے کہ تکبیر اولیٰ سے باجماعت میں امام کے ساتھ شریک ہو جاؤں؟ ہر مسلمان اس بات کو جانتا ہے، لیکن عمل کے میدان میں غفلت ہوتی رہتی ہے، لہٰذا قیامت کے روز اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

جھوٹ اور غیبت کے حرام ہونے کا علم سب کو ہے

کون مسلمان ہے جو یہ نہیں جانتا کہ جھوٹ بولنا حرام ہے، ہر مسلمان کو اس کا علم حاصل ہے، لیکن کیا اس بات کا اہتمام ہے کہ گفتگو کرتے وقت میرے منہ سے کوئی بات واقعہ کے خلاف نہ نکلے؟ قیامت کے روز سوال ہوگا کہ تمہیں اس کا علم حاصل تھا، لیکن تم نے اس پر کتنا عمل کیا؟ کون مسلمان نہیں جانتا کہ غیبت کرنا حرام ہے؟ اور غیبت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کاری سے بدتر قرار دیا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں جب دو چار آدمی مل کر بیٹھتے ہیں، مجلس جمتی ہے تو کتنی غیبت ہوتی ہے، جاننے کے باوجود ہم اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں، تو قیامت کے روز اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

رشوت حرام ہونے کا علم سب کو ہے

کون مسلمان نہیں جانتا کہ رشوت لینا اور دینا حرام ہے، لیکن جب اپنے مفادات کا معاملہ آتا ہے، تو جاننے کے باوجود، حرام ہونے کا علم ہونے کے باوجود اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان تمام سوالات کا جواب دینا ہوگا۔ یہ نہ سمجھیں کہ جب ہم نے آج یہ کام کرلیا تو بس، بات آئی گئی ہوگئی، قرآن کریم فرمارہا ہے :

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيم

''لہٰذا ہر نعمت کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا'' اگر تم نے جھوٹ بولا ہے، اگر تم نے غیبت کی ہے، اگر تم نے کسی کی دل آزاری کی ہے، کسی کا حق مارا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، اور اس کے بارے میں تم سے سوال ہوگا۔

تمام چیزوں کے بارے میں بتا دیا گیا ہے

جتنی بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمر مل جائے، لیکن پہلے سے تمہیں بتا دیا گیا ہے کہ کیا سوالات ہوں گے، لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ کیا کیا سوالات ہوں گے۔ لہٰذا ان باتوں کا لحاظ رکھنا، اور یہ سوچنا کہ جو باتیں ہمیں معلوم ہیں کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ جائز ہے، یہ ناجائز ہے، یہ واجب ہے، یہ فرض ہے، یہ سنت ہے، یہ مستحب ہے، جن چیزوں کے بارے میں علم ہے، ان پر عمل کرنے کا اہتمام کرے، کیونکہ عمل کے بغیر علم بیکار چیز ہے، یہ علم تو شیطان کو بھی

بہت حاصل ہے، لیکن چونکہ اس علم پر عمل نہیں، اس لئے وہ شیطان مردود بن گیا، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے علم سے محفوظ رکھے جو عمل سے خالی ہو۔

دنیاوی علوم کے بارے میں بھی سوال ہوگا

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ علم کا لفظ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق استعمال فرمایا ہے کہ جو کچھ علم تھا، اس پر تم نے کیا عمل کیا، اس میں اور بہت سارے علوم آجاتے ہیں، مثلاً فرض کرو کہ ایک آدمی نے طِب کا علم حاصل کیا ہے، وہ ڈاکٹر ہے، یہ بھی علم ہے، لہٰذا قیامت کے روز اس کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں اس علم کی نعمت دی تھی، اور یہ نعمت ہم نے تمہیں اس لئے دی تھی تا کہ اس کے ذریعہ تم مخلوق خدا کی خدمت کرو، تم نے مخلوق خدا کی کتنی خدمت کی؟ اگر چہ ہم نے تمہارے لئے یہ جائز کر دیا تھا کہ اس پر کوئی اجرت اور فیس لینا چاہو تو لے سکتے ہو، لیکن ایک تو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے فیس لینا ہے، اور ایک یہ جذبہ ہے کہ میں کسی طرح دوسرے کی کھال کھینچ لوں، اور اس خدمت سے صرف پیسہ کمانا ہی مقصود ہو، اور یہ کہ کسی طرح میرے بینک بیلنس میں اضافہ ہو جائے، مخلوق خدا کی خدمت کا کوئی جذبہ ہی نہ ہو تو ایسا علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیکار ہے۔ اس کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا۔

موت سے پہلے ان سوالات کی تیاری کرلو

بہر حال؛ جس شعبہ زندگی سے متعلق تمہیں کسی بھی قسم کا علم حاصل ہے، اس

کو تم معاشرے کی خدمت کیلئے، انسانیت کی خدمت کیلئے استعمال کر رہے ہو تو بیشک تم نے اس علم کا حق ادا کر دیا، لیکن اگر تم نے اس علم کو محض پیسہ کمانے کا ذریعہ بنایا ہے، اور انسانوں کی کوئی ہمدردی اور انسانوں کی فلاح و بہبود کی کوئی فکر تمہارے دل میں نہیں ہے، تو تم نے اس علم کو گویا ضائع کر دیا۔ یہ ساری باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، ان کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا، اس کی تیاری کرلو، کسی بھی وقت آنکھ بند ہو سکتی ہے، کسی بھی وقت دنیا چھوڑ کے جا سکتے ہو، کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہو سکتی ہے، اور یہ سوالات کئے جا سکتے ہیں، اور جب سوالات کی جواب دہی کا احساس دل میں پیدا ہو جاتا ہے، تو اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے کہ آدمی کے دل میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ میں جو عمل کر رہا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہو گی تو ان سوالات کا جواب دے سکوں گا یا نہیں؟ یہ خلاصہ ہے اس آخری آیت کا جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔

پوری سورت کا خلاصہ

چونکہ آج کا بیان سورۂ تکاثر کی تفسیری سلسلے کا آخری بیان ہے، اس لئے ایک مرتبہ پھر پوری سورت کا خلاصہ عرض کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ فرمایا کہ تم لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مزے اُڑانے کی فکر نے اپنی زندگی کے اصلی مقصد سے غافل کر رکھا ہے، تمہارے اندر یہ فکر ہے کہ میں کسی طرح دوسرے سے زیادہ مزے اُڑالوں، دوسرے سے زیادہ دولت کما لوں،

دوسرے سے زیادہ آگے بڑھ جاؤں، اور اس فکر نے تمہیں زندگی کے اصل مقصد سے غافل کر رکھا ہے، اور زندگی کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کر کے اس کی رضا کے مطابق زندگی گزارنا۔ یہاں تک کہ تم اسی حالت میں قبرستانوں سے جا کر مل جاتے ہو، ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے، عنقریب تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا، پھر دوبارہ ہم کہتے ہیں کہ ہرگز ایسا نہ کرو، عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا، ہزگر ایسا نہیں کرنا چاہیے، کاش تمہیں علم یقینی حاصل ہو جائے، اور تم ضرور بالضرور اس جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے، پھر تم اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھ لوگے، پھر اس وقت تم سے ساری نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

آخرت میں ہونے والے سوالات کا خلاصہ

جیسا کہ ان سوالات کے بارے میں عرض کیا تھا کہ یہ پوچھا جائے گا کہ تمہیں زندگی کے جو اوقات دیے تھے، وہ کس کام میں خرچ کیے؟ تمہاری زندگی کا کوئی لمحہ بیکار نہیں جانا چاہیے تھا، تم نے اس کو کس کام میں گنوایا؟ اور یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری جوانی کس کام میں خرچ ہوئی؟ اور یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور یہ پوچھا جائے گا کہ ہم نے تمہیں جو علم دیا تھا، اس علم کی تم نے کیا قدر پہچانی؟ اور اس علم کا کیسا استعمال کیا؟ اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں، ان نعمتوں کو صحیح مصرف پر خرچ کیا؟ یا ان نعمتوں کو ضائع کر دیا؟ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی؟ یہ سوالات آخرت میں ہر فرد بشر سے ہونے ہیں، کوئی بشر اس سے مستثنیٰ نہیں، اور اس کی تیاری کے لئے اللہ تعالیٰ نے تنی لمبی عمر عطا

فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں اس کا احساس پیدا فرمادے، اور اس کی فکر پیدا فرمادے، اور ان سوالات کا جواب تیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

علماء، طلباء اور عوام کو

ایک ایک نصیحت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

جناب ابو نظام صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامعۃ الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن
بائی پاس روڈ، چمن

تاریخ خطاب : رجب/۱۴۲۹ھ

خطبات عثمانی : جلد نمبر ۴

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماءِ طلباءِ اور عوام کو ایک ایک نصیحت

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا وہ خطاب جو آپ نے جامعۃ الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن بائی پاس روڈ چمن میں رجب ۱۴۲۹ھ کو سالانہ جلسہ دستار فضیلت کے موقع پر فرمایا۔ قارئین کے لئے بغرض استفاد شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للّٰه ربّ العلمین ، والصلاة والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین و علی آله و اصحابه اجمعین و علی کل من تبعهم باحسان الی یوم الدین . امّا بعد ؛

تمہید

حضرات علماء کرام، میرے عزیز طالبعلم ساتھیو، معزز حاضرین، بزرگو اور دوستو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میرے لئے یہ بڑی سعادت کا موقع ہے کہ ہمارے بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الغنی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ اسلامیہ میں مجھ ناچیز کو دعوت دے کر بڑا اعزاز عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائیں اور ان کا فیض جاری وساری فرمائیں، آمین۔

اس مبارک موقع پر جبکہ جامعہ اسلامیہ میں تعلیمی سال کی تکمیل ہو رہی ہے اور مجھے بتایا گیا کہ تقریباً ساڑھے چار سو طالب علم دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے ہیں، مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں چند گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں۔ اس وقت اس مبارک جلسے میں جو اجتماع ہے، وہ حضرات علماء کرام کا بھی ہے، طلباء کا بھی ہے، اور عام مسلمانوں کا بھی ہے اور میں ان تینوں طبقات سے بہت مختصر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، اور چونکہ مجھے آگے سفر درپیش ہے اس لئے کسی طویل خطاب کا موقع نہیں، لیکن دین کی بات کسی لمبی چوڑی تقریر کی محتاج نہیں ہوتی، اگر اخلاص کے ساتھ بات کہی اور سنی جائے تو چھوٹی سی بات بھی کارآمد ہو جاتی ہے، اور اگر خدانہ کرے اخلاص مفقود ہو تو لمبی چوڑی تقریریں بھی بیکار ہوتی ہیں، اس واسطے میں ان تینوں حضرات سے بہت مختصر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عام مسلمانوں سے گزارش

عام مسلمانوں سے تو میری درخواست یہ ہے کہ آج ہم فتنوں کے جس دور سے گزر رہے ہیں، اس دور میں ساری اسلام دشمن طاقتوں کا سارا زور اس بات پر صرف ہو رہا ہے کہ عام مسلمانوں کا رشتہ علماء کرام سے کاٹ دیا جائے اور عام مسلمانوں کو علماء کرام سے برگشتہ کیا جائے، علماء کرام سے نفرت ان کے دلوں میں پیدا کی جائے تاکہ ان کا رشتہ اپنے علماء کرام سے کٹ جائے، اور اس کے بعد ان کی کیفیت ایسی ہو جائے جیسے کہ بھیڑوں کا غلہ کسی چرواہے کے بغیر بھیڑیوں کے

قبضے میں آجاتا ہے، عام مسلمانوں کو اس فتنے سے اچھی طرح خبردار رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ کہا یہ جارہا ہے کہ یہ علماء عصر حاضر کے تقاضوں سے واقف نہیں ہیں، ان میں روشن خیالی نہیں ہے، یہ دقیانوسی لوگ ہیں، یہ گھڑی کی سوئی کو پیچھے لے جانا چاہتے ہیں، اور ان علماء کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے، اور چونکہ علماء ہم آہنگ نہیں ہیں، لہٰذا عوام الناس کو کہا جارہا ہے کہ وہ ان علماء کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ دوسرے قائدین کو تلاش کریں۔ سوال یہ ہے کہ علماء کن کا نام ہے؟ علماء ان حضرات کا نام ہے جو قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنت کے پاسبان ہیں، اور قرآن وسنت سے مستنبط ہونے والی فقہ کے نگہبان ہیں، اور یہ قرآن اور سنت وہ چیز ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ساری انسانیت کی رہنمائی کے لئے قیامت تک کے تمام مقتضیات کو پورا کرنے والی ہے، اور اس میں انسان کی ضرورت کا کوئی اہم پہلو ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں قرآن وسنت کی ہدایت موجود نہ ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن وسنت کا صحیح طور پر عالم ہے، اور اس کے احکام کو جانتا ہے تو وہ قیامت تک آنے والی تمام ضروریات کا جاننے والا ہے، اور اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ عصر حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہے، یہ جہالت کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا عام مسلمانوں کو دشمنان اسلام کی اس سازش سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے، وہ سمجھ چکے ہیں کہ اس دنیا سے دین کے اثرات کو مٹانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک کہ بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھنے والے طلباء اور علماء موجود ہیں، اس واسطے پوری دنیا میں ان کے

خلاف ایک سازش چل رہی ہے، پوری دنیا میں ان کے خلاف پروپیگنڈا ہو رہا ہے، حیرت کی بات ہے کہ یہ چٹائی پر بیٹھنے والے، یہ بوریوں پر بیٹھنے والے، یہ جھونپڑیوں میں رہنے والے لوگوں سے سات سمندر پار امریکہ کی سپر پاور لرز رہی ہے، وہ لرزہ براندام ہے، وہ ڈر رہی ہے کہ یہ ہمارے خلاف ایک فتنہ نہ بن جائیں، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اصل میں دین کا تحفظ اور دین کی حفاظت اللہ تبارک و تعالیٰ بوریہ نشین علماء کرام سے کرا رہا ہے۔ اقبال مرحوم نے آج سے تقریباً پون صدی پہلے انگریز کی پالیسی کو بیان کرتے ہوئے ایک شعر میں کہا تھا کہ انگریز یہ چاہتا ہے کہ اس خطہ زمین سے اسلام کو کھرچ کھرچ کر نکال دے، اقبال نے انگریز کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا تھا :

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

علماء اور طلباء سے گزارش

دوسری بات مجھے حضرات علماء کرام اور اپنے عزیز طالب علموں سے عرض کرنی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں بہت عظیم رتبے سے نوازا ہے، علم دین کوئی معمولی سعادت نہیں، طلباء اور علماء کرام کی یہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ سمندر کی

مچھلیاں بھی ان کے حق میں دعائیں کرتی ہیں، ان کے فضائل سے قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں، قرآن کہتا ہے :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ، اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (الزمر : ۹)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت میں ارشاد فرمایا :

اِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ

''علماء کرام انبیاء کرام کے وارث ہیں''

اتنے بڑے عظیم فضائل علماء کرام کے بیان فرمائے گئے ہیں، بڑے عظیم فضائل ہیں، بڑا عظیم رتبہ ہے ایک عالم دین کا، لیکن ساتھ ساتھ جتنی اس کی فضیلت ہے، اتنی ہی بڑی اس کی ذمہ داری ہے، اور جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے علماء اور طلباء کے لئے اجر رکھا ہے، اتنا ہی اس کے گردن کے اوپر ایک بہت بڑا بوجھ بھی ڈالا ہے، وہ بوجھ یہ ہے کہ وہ محض عالم نہ ہو، عالم ہونے کے ساتھ ساتھ باعمل بھی ہو، جو علم پڑھ رہا ہے، اس کے اوپر پوری طرح عمل پیرا ہو، عبادات میں، معاملات میں، اخلاق میں، معاشرت میں غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں جو دین اس نے پڑھا ہے اس کا عکس، اس کا آئینہ اس کی زندگی کے اندر نمایاں ہو، یاد رکھیے! علماء کرام کو اور ان کی خدمت کو مٹانے کی سازشیں صدیوں سے چل رہی ہیں، آج کوئی نئی بات نہیں، صدیوں سے اس کائنات میں سازشیں چل رہی ہیں کہ علماء کرام کی خدمات کو مٹایا جائے۔ لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ بیرونی طاقت کبھی علماء کرام کی

خدمات تو نہیں مٹا سکی، لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ہم خود اپنی بدعملی کی وجہ سے، اپنے اضطراب کی وجہ سے، اپنے انتشار کی وجہ سے اور اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے مٹنے کا سبب نہ بن جائیں۔ لہٰذا ہر طالب علم جس کے سر پر دستار فضیلت رکھی گئی ہے، اس کو اس کا بوجھ برداشت کرنا چاہیے، یہ پگڑی یا یہ دستار فضیلت ایک تاج نہیں ہے، جو سر پر پہن لیا گیا ہے، یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ہے جو سر پر رکھا جارہا ہے، ہر طالب علم کو اس ذمہ داری کا بوجھ سمجھنا چاہیے، اور اس بات کا ادراک کرنا چاہیے کہ آج اس کی ایک ایک نقل و حرکت کو خوردبین لگا کر دیکھا جارہا ہے، اس کے ایک ایک کام کی چاروں طرف سے نگرانی کی جارہی ہے کہ اس میں کوئی عیب تلاش کیا جائے، تو ایسا نہ ہو کہ ہمارے یہ عیوب ہمیں اور آپ کو لے ڈوبیں۔ یاد رکھیے! علم بغیر عمل کے ایک ایسا درخت ہے، جس پر پھل نہ ہوں، ایک ایسا پودا ہے، جس پر پھول نہ ہوں، ہمارے سارے اسلاف علم کے ساتھ ساتھ عبادت کے عادی تھے، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ قاضی بننے کے بعد جبکہ قاضی کی مصروفیات بہت زیادہ ہوتی ہیں، روزانہ دو سو رکعتیں نفل پڑھنے کا معمول تھا، اور ہر وقت اپنی ہر ہر ادا میں اپنے علم کو نافذ کرنے کی کوشش کرتے تھے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے طالب علمو! اپنے علم کی زکوٰۃ ادا کرو، لوگوں نے پوچھا کہ علم کی زکوٰۃ کیا ہوتی ہے؟ فرمایا کہ جتنا پڑھا ہے کم از کم اس کے چالیسویں حصے پر عمل کر کے دکھا دو، اور پھر یہ جائزہ

صرف عبادت پر موقوف نہیں۔

آج کی دنیا میں آپ کا جائزہ

بلکہ آج کی دنیا میں آپ کا جائزہ آپ کے معاملات سے لیا جائے گا، آپ کے اخلاق سے لیا جائے گا، آپ کی معاشرت سے لیا جائے گا، اگر کوئی عالم دین ہے، لیکن روپے پیسے کمانے میں محتاط نہیں ہے، حلال وحرام کی تمیز نہیں تو وہ علماء کے ماتھے پر ایک بدنما داغ بن کر سامنے آئے گا، اور دشمنان اسلام اس کو بدنام کر کے پورے طبقہ علماء کو بدنام کریں گے، اگر ایک طالب علم کے، ایک عالم کے اخلاق اچھے نہیں ہیں، اس کا طرز عمل معاشرت اسلامی کے مطابق نہیں ہے تو اس کو بدنام کیا جائے گا، اور اس کے ساتھ ساتھ پورا طبقہ علماء بدنام ہوگا۔

فضلاء کرام کو مبارکباد

لہٰذا میرے عزیز طالب علمو! جنہوں نے اس سال دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی ہے، میں آپ کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، آپ کے اساتذہ کرام کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس عظیم سعادت کا ذریعہ بنایا، میں آپ کے والدین آپ کے خاندانوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سعادت عظمیٰ ان کو عطا فرمائی، لیکن ساتھ ساتھ اس بات کی بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سعادت کے ذریعہ جو ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر ڈالی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں ٹھیک ٹھیک انجام

دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کو امت مسلمہ کے لئے ایک نمونہ بنائیں، اور ان پروپیگنڈا کرنے والوں کا ایک عملی جواب بنائیں جو علماء کے خلاف اور علم دین کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کو مکمل طور پر ناکام بنائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

مکمل فہرست خطبات عثمانی

خطبات عثمانی جلد نمبر : ۱

عنوان

خطبات عثمانی جلد نمبر : ۲

عنوان

خطبات عثمانی جلد نمبر : ۳

عنوان

نوٹ : کتاب میں لکھے گئے تمام مضامین کو نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے، پھر بھی اگر کوئی کتابت کی غلطی رہ گئی ہو تو براہ کرم درج ذیل نمبر پر فوری اطلاع کریں۔ جزاک اللہ خیرا

0321-2606274

اِصلاحی خُطبات

(مکمل ۱۹/جلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عُثمانی مدظلہم

کے خطبات پر مشتمل مقبول کتاب

خاص ایڈیشن : =/ روپے

عام ایڈیشن : =/ روپے

میمن اسلامک پبلشرز